فہرست

شذرات	روزے کے اثرات	منظور الحسن	۲
	ایک وضاحت	〃	۷
قرآنیات	البقرہ (۲: ۱۸۰۔۱۸۲)	جاوید احمد غامدی	۹
معارفِ نبوی	زنا کی طرف میلان کے مختلف مظاہر	طالب محسن	۱۳
دین و دانش	قانون معاشرت (۳)	جاوید احمد غامدی	۱۷
	روزہ ـــ قرآن کی روشنی میں	جاوید احمد غامدی / منظور الحسن	۲۳
نقطۂ نظر	اسلام میں عبادت	محمد عمار خان ناصر	۳۳
	اسبال ازار (۲)	محمد صدیق شاہ بخاری	۴۸
یسئلون	یہود و نصاریٰ سے دوستی	جاوید احمد غامدی / منظور الحسن	۵۷
ادبیات	خیال و خامہ (۳)	جاوید احمد غامدی	۶۲
اشاریہ	اشاریہ ''اشراق'' ۲۰۰۱ء	معظم صفدر	۶۴

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روزے کے اثرات

اس گھڑی ہم جی رہے ہیں، مگر اگلی کسی گھڑی ہمیں مر جانا ہے۔ جس طرح یہ جینا سدا کا جینا نہیں ہے، اسی طرح وہ مرنا بھی سدا کا مرنا نہیں ہوگا۔ ایک دن ہم اسی روح و بدن کے ساتھ ایک دوسری دنیا میں کھڑے ہوں گے۔ پروردگار کا فرمان ہے کہ: ''اس دن ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ کتنے چہرے اس دن روشن ہوں گے، ہنستے ہوئے ہشاش بشاش! اور کتنے چہرے ہوں گے کہ ان پر خاک اڑتی ہوگی، سیاہی چھا رہی ہوگی۔'' اس روز آخری عدالت لگے گی۔ ہم سب کے اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ ان اعمال ناموں میں ''جس نے ذرہ برابر بھلائی کی ہے، وہ بھی اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہے، وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔'' اور پھر جن کی فہرست اعمال میں نیکیاں زیادہ ہوں گی، وہ کامیاب اور جنت کے مستحق ٹھہریں گے اور جن کی فہرستِ اعمال میں گناہ زیادہ ہوں گے وہ مجرم اور جہنم کے سزاوار قرار پائیں گے۔ اس موقع پر ان مجرموں میں سے ہر ''مجرم کہے گا کہ اے کاش، وہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے، اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے خاندان کو جو اسے پناہ دیتا رہا اور اس زمین کے ہر شخص کو فدیہ میں دے دے، پھر اپنے آپ کو اس سے چھڑا لے،'' مگر وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ آخرت کا گھر بس انھی لوگوں کے لیے بہتر قرار پائے گا جنھوں نے دنیا کی زندگی نفس کی خواہشوں پر قابو رکھتے ہوئے اور اپنے پروردگار کے حضور میں پیشی سے ڈرتے ہوئے گزاری ہوگی، گویا انھوں نے تقوے کی راہ اختیار کی ہوگی اور عمر بھر اپنے پروردگار کی اس بات کو مشعلِ راہ بنایا ہوگا کہ:

''دارِ آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کریں۔'' (الاعراف ۷:۱۶۹)

ہم میں سے ہر شخص اس دن جہنم کے دردناک عذاب سے بچنا چاہتا ہے اور دارِ آخرت میں بہتری کا طلب گار ہے۔ مگر ہمیں یہ بات جان رکھنی چاہیے کہ دارِ آخرت میں کامیابی اور بہتری کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ راستہ تقویٰ ہے۔ ہمیں اس پر گام زن ہونے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے موثر طریقہ روزہ ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

''ایمان والو، تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

(البقرہ۲:۱۸۳)

روزہ ہمارے عمل، ہمارے اخلاق اور ہماری روح پر ایسے اثرات مرتب کرتا ہے کہ ہمارے لیے شیطان کی ترغیبات اور نفس کے داعیات کے باوجود تقوے کی نشوونما ممکن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ رمضان کے دوران میں ہمیں اس بات کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ آیا ہم روزے کے ان اثرات سے فی الواقع فیض یاب ہو بھی رہے ہیں یا نہیں۔ اگر روزے ہمارے اندر تقوے کو پروان نہیں چڑھا رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے کھانے پینے کے اوقات میں تبدیلی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ روزہ ہماری عملی، اخلاقی اور روحانی زندگی پر جو اثرات قائم کرتا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔نمازوں میں سرگرمی

اپنے مالک کے حضور میں سر بہ سجود ہونا انسان کی معراج ہے۔ نماز اصل میں، ان نعمتوں پر شکر کا اظہار ہے جو پروردگار نے انسان کو کسی استحقاق کے بغیر دی ہیں، اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ دنیا کا کارساز صرف اور صرف وہی ہے، اس بات کا اقرار ہے کہ ہماری محبت کا مرکز حقیقی وہی ہے، اس امر کی تائید ہے کہ اطاعت کا مرجع اسی کی ذات ہے اور اس مسلمے کا ادراک ہے کہ جو کچھ ملے گا اسی کے در سے ملے گا۔ دوسرے الفاظ میں نماز انسان کی طرف سے بندگی رب کا بھرپور اظہار ہے۔ رمضان میں چونکہ پورا ماحول اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرگرم ہوتا ہے، اس لیے ہر شخص کے اندر عبادت کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔ یہ مہینا ہمیں یہ موقع فراہم کرتا ہے ہم رضاے الٰہی کی جستجو میں نماز کو اپنے معمولات کا سب سے اہم حصہ بنائیں۔ اس ضمن میں ہمیں سہ جہتی منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ ایک یہ کہ اس کی حتی المقدور کوشش کی جائے کہ فرض نمازیں کسی حال میں قضا نہ ہوں اور مسجد میں باجماعت نماز کا التزام کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ تیسرے یہ کہ تہجد کی نماز کو اس مہینے میں اپنا معمول بنا لیا جائے۔ اگرچہ اس بات کی روایت پڑ گئی ہے کہ رمضان میں تہجد کی نماز عشا کے ساتھ ہی تراویح کے نام سے پڑھ لی جاتی ہے، مگر اس کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اسے تنہائی میں اور رات کا کچھ حصہ گزر جانے کے بعد پڑھا جائے۔ رمضان میں اس کی اس قدر اہمیت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص رمضان کی راتوں میں اپنے ایمان کو قائم رکھتے ہوئے ثواب کی نیت سے (تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے) کھڑا رہا، اس کے تمام اگلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔'' (بخاری، رقم ۱۸۸۵)

۲۔مطالعۂ قرآن

رمضان میں مطالعۂ قرآن کی اہمیت دو پہلوؤں سے ہے۔ ایک یہ کہ یہ وہ بابرکت مہینا ہے جس میں قرآنِ مجید نازل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''یہ رمضان کا مہینا ہے جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کے کھلے دلائل کے ساتھ۔'' (البقرہ۲: ۱۸۵)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ماہِ رمضان کی قرآنِ مجید سے خاص مناسبت ہے۔

دوسرے یہ کہ اس مہینے میں خدا کی بات سننے اور سمجھنے کی طلب ہر دل میں پیدا ہوتی ہے اور خلوت میسر ہونے اور روزمرہ مصروفیات میں کمی کی وجہ سے فہمِ قرآن کا پورا موقع میسر آ جاتا ہے۔ اس موقعے سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآنِ مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنی چاہیے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ تلاوت سے مراد قرآنِ مجید کو بے سوچے سمجھے پڑھنا نہیں ہے، بلکہ نہایت غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرنا ہے۔

۳۔ انفاق

اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا انفاق ہے۔ آخرت کی کامیابی کے حوالے سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بہت اہمیت ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

''ہم نے جو کچھ تمھیں بخشا ہے، اس میں سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ دھمکے۔ پھر وہ حسرت سے کہے کہ اے رب، تو نے مجھے کچھ اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیکو کاروں میں سے بنتا۔'' (المنافقون ۶۳: ۹۔۱۰)

گویا اللہ کی یاد کو قائم رکھنے، مال و اولاد کے فتنوں سے محفوظ رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اس کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کیا جائے۔

رمضان میں اس نیکی کا بھرپور اظہار ہونا چاہیے۔ اس موقع پر اپنے اعزہ پر، اپنے ہمسائیوں پر، اپنے ہم وطنوں پر اور ناداروں اور ضرورت مندوں پر جس قدر ممکن ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ رمضان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاق کے حوالے سے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بہت سخاوت کرتے تھے۔ آپ کی سخاوت چلتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔'' (مشکوٰۃ، ۱۹۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو عام حالات میں بھی سب سے زیادہ فیاض تھے، لیکن رمضان میں تو آپ سراپا جود و کرم بن جاتے۔'' (متفق علیہ)

رمضان میں انفاق کی ایک صورت روزہ دار کو روزہ افطار کرانا بھی ہے۔ حضرت زید بن خالد جہنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

''جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہے اور اس سے روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔'' (ترمذی، کتاب الصوم)

۴۔ نفس پر قابو

شیطان انسان پر جن راستوں سے زیادہ تاخت کرتا ہے وہ بطن اور فرج ہیں۔ اگر انسان اپنے پیٹ اور اپنی شرم گاہ کے تقاضوں کو بے لگام نہ ہونے دے تو وہ بیشتر برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''جو شخص ان چیزوں کے بارے میں مجھے ضمانت دے سکے جو اس کے دنوں گالوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان ہیں، میں اس کے لیے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔'' (متفق علیہ)

روزے کے دوران میں کھانے پینے پر پابندی ہوتی ہے۔ فضول گفتگو سے پرہیز بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس وجہ سے زبان کے چٹخارے اور اس کی فتنہ انگیزیاں بند ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح انسان کی حیوانی ضروریات پر بھی ایک لمبے وقت کے لیے پابندی لگ جاتی ہے۔ چنانچہ اس دوران میں بے راہ روی سے بچے رہنے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی نہ ہونے کی صورت میں روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شادی کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ نکاح کرے اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہ روزہ رکھے۔'' (بخاری، ۱۷۸۷)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۵۔ حسن کلام

وہی کلام اچھا اور موثر ہوتا ہے جو شایستہ ہو، حیا کا آئینہ دار ہو اور جھوٹ سے پاک ہو۔ روزے کا زیادہ وقت کم گوئی اور پروردگار کے ساتھ مناجات میں گزرنا چاہیے، لیکن اگر گفتگو کا موقع بھی ہو تو اسے پاکیزہ ہونا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کے دوران میں فحش گفتگو کرنے اور جھگڑنے سے منع فرمایا ہے:

''روزہ دار کو چاہیے کہ وہ روزے میں فحش باتیں نہ کرے، نہ بدتمیزی کرے، اگر کوئی شخص اس سے جھگڑے تو اسے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔'' (بخاری، رقم ۱۷۸۶)

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے:

''جو شخص (روزہ رکھ کر) جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔'' (بخاری، رقم ۱۷۸۵)

۶۔ صبر و برداشت

روزے کی حالت میں روزہ دار صبر و برداشت کا پیکر بن جاتا ہے۔ جب اس کے سامنے کھانا آتا ہے تو بھوک کے باوجود

وہ اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ جب کوئی اس سے جھگڑا کرتا ہے تو وہ یہ کہہ کر گریز کر لیتا ہے کہ میں روزے سے ہوں۔

اللہ کے حکم کی پیروی میں انسان کے اس صبر و ثبات پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ام عمارہ بنت کعب بیان کرتی ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے تو انھوں نے آپ کے لیے کھانا منگوایا۔ کھانا آیا تو آپ نے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ تو انھوں نے کہا کہ میں روزے سے ہوں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت روزہ دار کے پاس کھانا کھایا جائے، تو فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کھانے سے فارغ ہو جائے۔'' (مشکوٰۃ، رقم ۱۹۸۱)

روزہ انسان کی ایسی تربیت کر دیتا ہے کہ وہ بڑی سے بڑی آزمایش کو بھی خندہ پیشانی سے سہ لیتا ہے۔ تربیت کے اسی پہلو کی وضاحت میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''یہی روزہ ہے جو مذہب نے انسانوں کی ظاہری و باطنی تربیت کے لیے تجویز فرمایا ہے اور مقصود اس سے ان کی صلاحیت کار کو ضعیف کرنا نہیں ہے، بلکہ اس صلاحیت کار کو صبر اور تقویٰ کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ مستحکم کر دینا ہے تاکہ انسان حق کی مخالف طاقتوں کے مقابل میں، خواہ یہ طاقتیں شیطانی ہوں یا انسانی، جہاد کا اہل ہو سکے۔ قرآن اور حدیث پر نگاہ رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ روزے کے بنیادی مقصد دو بیان کیے گئے ہیں۔ تقویٰ اور صبر۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ہر مرحلہ میں اور ہر قسم کے حالات میں اپنے نفس کو حدود الٰہی کا پابند رکھے۔ صبر یہ ہے کہ اس راہ میں خارج سے یا اس کے باطن سے جو مشکلات و موانع بھی سر اٹھائیں۔ ان کا پورے عزم و جزم کے ساتھ مقابلہ کرے اور ان کے آگے سپر انداز نہ ہو۔ یہ جہاد زندگی بھر کا جہاد ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہر مسلمان اسی جہاد کی ٹریننگ حاصل کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا امکان ہے کہ نئے نئے بھرتی ہونے والوں پر اس ٹریننگ کا فوری اثر اضمحلال اور ضعف کی شکل میں ظاہر ہوتا ہو۔ لیکن دیکھنے کی چیز یہ فوری اثر نہیں، بلکہ اس کا مستقل اثر ہے۔ اس کا مستقل اثر یقیناً، اس کو صحیح طور پر برتنے کی شکل میں، یہی ہونا چاہیے کہ انسان کی بلادت کم ہو، اس کی روح قوی ہو، اس کا دل توانا ہو، اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو، اس کی قوت برداشت بڑھ جائے، وہ جہاد زندگانی اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے پوری طرح تیار ہو جائے۔'' (تدبر قرآن ۱/ ۴۶۲)

۷۔ اللہ سے تعلق

روحِ انسانی کی فطرت رجوع الی اللہ ہے، مگر نفس کی خواہشات اور شہوات اس کی فطرت کو مجروح کرتی رہتی ہیں۔ روزہ نفس کے میلانات پر پابندی عائد کر کے روح کو اس کے فطری رجحان کے مطابق پروان چڑھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ دنیا سے کٹ کر اللہ کی رضا جوئی کے لیے سرگرمِ عمل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزے کی عبادت اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین عبادت ہے اور اللہ نے اس کا خاص اجر بیان فرمایا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمی کا ہر نیک عمل اس کے کام کا ہے، مگر روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ قسم اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی بو سے بہتر ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی روزہ افطار کرتے ہوئے حاصل ہوتی ہے اور دوسری خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے

مالک سے ملے گا اور روزے کا اجر دیکھ کر خوش ہو گا۔'' (بخاری، رقم ۱۷۸۶)

ـــــ منظور الحسن

ایک وضاحت

اکتوبر ۲۰۰۱ میں مؤقر روزنامہ ''پاکستان'' کی طرف سے جناب افضال ریحان نے مدیرِ ''اشراق'' سے ایک انٹرویو کیا تھا۔ یہ انٹرویو ۲۸ اکتوبر کو سنڈے میگزین ''زندگی'' میں شائع ہوا۔ اس کی اشاعت سے ایک روز پہلے اس انٹرویو کی بنیاد پر روزنامہ ''پاکستان'' میں جناب جاوید احمد غامدی کے حوالے سے یہ بیان شائع ہوا کہ: ''افغانستان پر امریکی حملے جائز ہیں۔''

تعجب کی بات یہ ہے کہ نہ اس خبر کے متن میں اس طرح کا کوئی جملہ درج تھا اور نہ اگلے روز شائع ہونے والے انٹرویو میں اس مفہوم کی کوئی بات موجود تھی۔ جناب افضال ریحان سے جب اس بارے میں معلوم کیا گیا تو انھوں نے اسے غلط بیانی قرار دیا اور اس کی اشاعت سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر روزنامہ ''پاکستان'' کے ذمہ داران سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے اس کی تردید شائع کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ مدیرِ ''اشراق'' کی طرف سے ایک تردیدی بیان ارسال کیا گیا۔ یہ بیان ایک خبر کے طور پر شائع تو ہو گیا، مگر اس کا اصل جملہ حذف کر دیا گیا جو غلط طور پر منسوب ہونے والے بیان کی تردید کر رہا تھا۔ اس پس منظر میں ہم اپنے قارئین کی وضاحت کے لیے یہ تردیدی بیان یہاں شائع کر رہے ہیں:

''روزنامہ ''پاکستان'' 27 اکتوبر کی اشاعت میں میرے انٹرویو کے حوالے سے یہ بات غلط طور پر شائع ہوئی ہے کہ: ''افغانستان پر امریکی حملے جائز ہیں۔'' ''سنڈے میگزین'' کے لیے افضال ریحان صاحب نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ: ''کیا آپ کے نزدیک امریکا کا افغانستان پر حملہ دہشت گردی ہے، ہمارے مذہبی لوگ تو اس وقت امریکہ کے افغانستان پر حملے کو بھی دہشت گردی قرار دے رہے ہیں؟'' اس کے جواب میں میں نے یہ بات کہی تھی کہ حملے کی شناعت دوسرے وجوہ سے اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن اس کے لیے دہشت گردی کی اصطلاح اختیار نہیں کی جا سکتی۔ اس ضمن میں میرے الفاظ یہ تھے: افغانستان میں وہ مقاتلین کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں یا غیر مقاتلین کے خلاف؟ کیا حملے سے پہلے انھوں نے اس کا الٹی میٹم دیا تھا کہ یہ ہمارے مجرم ہیں، انھیں ہمارے حوالے کر دو، اس کے بعد مسلسل اصرار کر رہے ہیں کہ ہم محض فوجی تنصیبات پر حملے کر رہے ہیں۔ یعنی یہ جنگ علانیہ ہو رہی ہے، منظّم حکومت کے تحت ہو رہی ہے اور جن لوگوں نے ان کے شہریوں کی جانوں پر ظلم کیا ہے، ان کے خلاف کر رہے ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ انھوں نے حملہ غلط کیا ہے یا صحیح، لیکن اسے آپ دہشت گردی نہیں کہہ سکتے۔ البتہ، اگر وہ یک بیک کابل اور قندھار کے شہری علاقوں پر بم باری شروع کر دیتے ہیں تو یہ اسی طرح کا مجرمانہ اقدام ہو گا جس طرح کا ہیروشیما اور ناگاساکی پر کیا گیا۔''

ـــــ منظور الحسن

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(۳۵)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ـ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ

(اِسی طرح مال کے نزاعات سے بچنے کے لیے) تم پر فرض کیا گیا ہے کہ تم میں سے جب کسی کی موت کا وقت آ پہنچے اور وہ کچھ مال چھوڑ رہا ہو[۴۷۳] تو والدین اور قرابت مندوں[۴۷۴] کے لیے دستور کے مطابق وصیت کرے[۴۷۵]۔ اللہ سے ڈرنے والوں پر یہ حق ہے[۴۷۶]۔ پھر جو اس وصیت کو اس کے سننے کے بعد بدل ڈالے تو اِس

[۴۷۳] وصیت کے لیے یہ دو شرطیں اس لیے عائد کی ہیں کہ جو لوگ اپنی چلتی پھرتی زندگی میں وصیت کر دیتے ہیں، ان کے لیے بسا اوقات بڑی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں اور جو لوگ مال رکھتے ہوئے اس معاملے میں کوتاہی کرتے ہیں، وہ بارہا اپنے پیچھے بڑے جھگڑے چھوڑ جاتے ہیں۔ پہلی شرط کا ذکر، اگر غور کیجیے تو اصل میں 'اذا' کے ساتھ ہوا ہے، اس لیے کہ موت سب کو آنی ہے اور دوسری کا ذکر 'ان' کے ساتھ ہوا ہے، اس لیے کہ مال ہر شخص کے پاس نہیں ہوتا۔ 'ان' اور 'اذا' کا یہ فرق عربی زبان کے طلبہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ مال کے لیے اس آیت میں 'خیــر' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے اصلی معنی مرغوب اور مطلوب چیز کے ہیں۔ اس طرح قرآن نے گویا بالواسطہ طریقے پر بتا دیا ہے کہ مال فی نفسہٖ کوئی بری چیز نہیں ہے، بلکہ علم و دانش کی طرح ایک خیر ہے جس کی تمنا اگر آدمی کے دل میں پیدا ہو اور وہ اس کے لیے جدوجہد بھی کرے تو اسے کسی طرح ناپسندیدہ نہیں کہا جا سکتا۔

عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ، اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ـ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا

کا گناہ اُن بدلنے والوں ہی پر ہوگا۔ اُنھیں یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ جس کو، البتہ کسی وصیت کرنے والے کی طرف سے جانب داری یا حق تلفی[۴۷۷] کا اندیشہ[۴۷۸] ہو اور وہ آپس میں صلح کرا دے[۴۷۹] تو اِس

[۴۷۴] یہ اس لیے فرمایا ہے کہ لوگ بالعموم اولاد ہی کو اپنے ترکے کا وارث سمجھتے تھے۔ والدین اور دوسرے اعزہ کے لیے کوئی حصہ اس میں نہیں مانتے تھے۔

[۴۷۵] وصیت کا یہ حکم ان وارثوں کے لیے باقی نہیں رہا جن کے حصے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء (۴) میں اس کے بعد خود متعین فرما دیے ہیں۔ اولاً، اس لیے کہ نساء کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ حصے اس نے خود اس لیے متعین فرمائے ہیں کہ لوگ یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان کے وارثوں میں سے کون بہ لحاظ منفعت ان سے قریب تر ہے۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص ان وارثوں کے لیے وصیت کرتا ہے تو وہ گویا اپنے عمل سے یہ کہتا ہے کہ میں یہ فیصلہ نہ صرف یہ کہ کر سکتا ہوں، بلکہ اس فیصلے سے بہتر کر سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ثانیاً، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں ان حصوں کو اپنی وصیت قرار دیا ہے جس کے بعد اگر وصیت کی جائے تو یہ گویا اللہ کی وصیت کے مقابلے میں اپنی وصیت پیش کرنے کی جسارت ہے۔ ثالثاً، اس لیے کہ اسی سورۂ نساء کی آیت ۷ میں ان حصوں کو 'نصیباً مفروضاً' کہا گیا ہے جنھیں ظاہر ہے کہ کوئی وصیت اب کسی طرح باطل نہیں کر سکتی۔ چنانچہ یہ بات تو بالکل قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وارثوں کی حد تک وصیت کا یہ حکم سورۂ نساء کی آیات سے منسوخ ہو گیا ہے۔ لیکن یہ جب دیا گیا تو اس سے کیا چیز پیش نظر تھی؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اس آیت میں والدین اور اقربا کے لیے جو وصیت کا حکم دیا گیا، وہ معروف کے تحت تھا اور اس عبوری دور کے لیے تھا جب کہ اسلامی معاشرہ ابھی اس استحکام کو نہیں پہنچا تھا کہ تقسیمِ وراثت کا وہ آخری حکم دیا جائے جو سورۂ نساء میں نازل ہوا۔ اس حکم کے نزول کے لیے حالات کے سازگار ہونے سے پہلے یہ عارضی حکم نازل ہوا اور اس سے دو فائدے پیشِ نظر تھے: ایک تو فوری طور پر ان حصہ داروں کے حقوق کا ایک حد تک تحفظ جن کے حقوق عصبات کے ہاتھوں تلف ہو رہے تھے، اور دوسرے اس معروف کو از سرِ نو تازہ کرنا جو شرفاے عرب میں زمانۂ قدیم سے معتبر تھا، لیکن اب وہ آہستہ آہستہ جاہلیت کے گرد و غبار کے نیچے دب چلا تھا تاکہ یہ معروف اس قانون کے لیے ذہنوں کو ہموار کر سکے جو اس باب میں نازل ہونے والا تھا۔'' (تدبرِ قرآن ۱/ ۴۳۹)

[۴۷۶] اصل الفاظ ہیں: 'حقاً علی المتقین'۔ ان میں 'حقاً' مصدر موکد ہے، یعنی 'حق ذلك حقاً'۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

فَاَصلَحَ بَینَھُم فَلَآ اِثمَ عَلَیہِ ، اِنَّ اللّٰہَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ۔ ﴿۱۸۰۔۱۸۲﴾

میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک، اللہ بخشنے والا ہے، اس کی شفقت ابدی ہے۔ ۱۸۰۔۱۸۲

[۴۷۷] اصل میں 'جنفاً او اثماً' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'جنف' کے معنی مائل ہونے کے ہیں، لیکن یہ زیادہ تر نیکی اورحق سے ہٹ کر برائی اور ظلم کی طرف مائل ہونے کے لیے آتا ہے۔ آیت میں یہ ٹھیک اس مفہوم میں آیا ہے جس مفہوم میں ہم جانب داری کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کے مقابل میں 'اثم' ہے جو ادائے حقوق میں پیچھے رہ جانے کے لیے آتا ہے۔ اس کا مفہوم، ظاہر ہے کہ یہاں حق تلفی کا ہوگا۔

[۴۷۸] اصل میں لفظ 'خوف' استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی اس آیت میں اندیشہ کرنے کے ہیں۔ عربی زبان میں یہ اصلاً گمان کرنے، خیال کرنے، توقع کرنے اور اندیشہ کرنے کے مفہوم ہی میں آتا ہے۔ استاذ امام نے کلام عرب سے بھی اس کی دلیل اپنی تفسیر میں پیش کر دی ہے۔

[۴۷۹] اصل الفاظ ہیں: 'فاصلح بینھم'۔ ان کا واضح مفہوم صلح کرا دینے کا ہے، بطور خود کوئی اصلاح کر دینے کا نہیں ہے۔ لہٰذا اس ہدایت کا مقصد یہی تھا کہ اگر کوئی جانب داری یا حق تلفی ہوئی ہے تو وصیت میں مناسب تبدیلی کے لیے وارثوں میں مفاہمت کرادی جائے۔

(باقی)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

''اللہ تعالیٰ برابر ظالم اور مفسد قوموں کو مٹاتا اور ان کی جگہ دوسروں کو برپا کرتا رہا ہے، کیونکہ اس نے ان قوموں کو اپنی دلچسپی اور دل لگی کے لیے نہیں پیدا کیا تھا کہ ان کے ظلم وفساد کے تماشے دیکھتا رہتا اور ان سے کوئی مواخذہ نہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ خود حق ہے اور وہ حق ہی کو پسند کرتا ہے۔ اس وجہ سے برابر حق سے باطل کو توڑتا رہتا ہے۔ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ اگر اس کے سوا کسی چیز کی کوئی ہستی ہے تو وہ حق کے ساتھ اس کی نسبت اور حق کی بندگی کے سبب سے ہے۔ یہاں تک کہ خدا کے مقرب فرشتے بھی اپنی روز وشب کی بندگی ہی کی بدولت باقی ہیں۔ وہ برابر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں، اس وجہ سے ان کو باقی رہنے کا حق حاصل ہوا ہے۔ جو اس بندگی اور عبودیت کے حلقہ سے اپنے آپ کو الگ کر لے، وہ اپنے آپ کو اللہ کے غضب اور اس کے عذاب کا نشانہ بنا لیتا ہے۔''

(امام حمید الدین فراہی، مجموعۂ تفاسیر فراہی ۱۵۳)

طالب محسن

زنا کی طرف میلان کے مختلف مظاہر

(مشکوۃ المصابیح، حدیث: ٨٦)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه و سلم إن اللّٰه كتب على ابن آدم حظه من الزنا ، أدرك ذلك لا محالة ، فزنا العين النظر ، و زنا اللسان النطق ، و النفس تمنی و تشتهی ، والفرج يصدق ذلك و يكذبه ۔

وفی رواية مسلم كتب على ابن آدم نصيبه من الزنا ، مدرك ذلك لا محالة ، العينان زناهما النظر ، و الأذنان زناهما الاستماع ، و اللسان زناه الكلام ، و اليد زناها البطش ، و الرجل زناها الخطا ، والقلب يهوی و يتمنی ، و يصدق ذلك الفرج و يكذبه ۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم کے بیٹے پر زنا میں اس کا حصہ واجب کر دیا ہے۔ وہ اسے ہر حال میں پا لے گا۔ چنانچہ آنکھ کا زنا (صنف مخالف کو بری نظر سے) دیکھنا ہے۔ زبان کا زنا (اس خواہش کے تحت صنف مخالف کے

بارے میں) بات چیت ہے۔ جی تمنا کرتا اور خواہش زور پکڑتی ہے، شرم گاہ (تو محض) اس (ارادے کے وجود) کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔

مسلم میں یہ روایت اس طرح بھی آئی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم کے بیٹے پر اس کا زنا میں حصہ واجب کر دیا گیا ہے۔ وہ اسے ہر حال میں پانے والا ہے۔ دونوں آنکھیں، ان کا زنا (صنف مخالف کو بری نظر سے) دیکھنا ہے۔ دونوں کان، ان کا زنا (فحش باتیں) سننا ہے۔ ہاتھ، اس کا زنا (برے ارادے سے) پکڑنا ہے۔ پاؤں، اس کا زنا (اس راہ میں) قدم رکھنا ہے۔ دل خواہش کرتا اور تمنا زور کرتی ہے۔ بعد ازاں شرم گاہ (محض) اس (ارادے کے وجود) کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لغوی مباحث

کتب علی: لازم کرنا، مقدر کر دینا۔ یہاں یہ دوسرے معنی میں آیا ہے۔

حظ: یہ حصے اور نصیب کے معنی میں آتا ہے۔

لا محالة: یہ میم کی فتح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ لازماً اور یقیناً کے معنی ادا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تمنی و تشتھی، یھوی: تینوں الفاظ ایک ہی حقیقت کو تعبیر کرنے کے لیے آئے ہیں۔ یعنی دل میں پیدا ہونے والی شدید خواہش۔

یصدق ذلك و یکذبه: تصدیق و تکذیب سے یہاں عملاً واقع ہونا ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ جب تک عمل میں فروج کا حصہ نہ ہو حد نہیں لگ سکتی۔ لیکن سیاق و سباق سے واضح ہے کہ یہ پہلو متکلم کے پیش نظر نہیں ہے۔

متون

صاحب مشکوٰۃ نے اس روایت کے دو متن درج کیے ہیں۔ یہ دونوں متن اس روایت کے مختلف متوں کے نمائندہ متون ہیں۔ بہر حال اس روایت کے کچھ متون مختصر اور کچھ مفصل ہیں۔ بعض روایات میں صرف نظر اور زبان کا ذکر ہے اور کچھ میں ان کے ساتھ کانوں، ہاتھوں، قدموں اور دل کا اضافہ ہے۔ ایک روایت میں 'الفم زناہ القبل' بھی آیا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ فرق لفظی ہیں۔ مثلاً ایک روایت میں 'النطق' کے بجائے 'منطق' ہے۔ ایک دوسری روایت میں 'الخطا' کی جگہ 'مشی' آیا ہے۔ اسی طرح کچھ روایات میں 'زناھما' مصدر کے بجائے فعل 'تزنیان' روایت ہوا ہے۔

معنی

یہ روایت بھی تقدیر کے باب سے متعلق نہیں ہے۔یعنی یہ روایت یہ بیان نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے لیے زنا مقدر کر دیا ہے۔لہٰذا وہ اس جرم کے ارتکاب سے بچ نہیں سکتا۔اگر اس روایت کے معنی یہ ہیں تو پھر اس کا آخری جملہ یعنی 'والفرج یصدق ذلك و یکذبه' بے محل ہے۔یہ جملہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ شدید خواہش کے باوجود انسان ارتکاب پر مجبور نہیں ہے۔

یہ روایت صنفی تعلق کی خواہش اور صنف مخالف کے لیے کشش کی شدت کو بیان کرتی ہے۔یہ خواہش اور کشش بلا شبہ انسانی تمدن کی تشکیل اور بہت سارے ثقافتی مظاہر کے وجود پزیر ہونے میں قوی محرک کی حیثیت رکھتی ہے اور اس اعتبار سے یہ ایک مثبت اور سود مند عامل ہے۔اسی طرح انسان کے نفسیاتی اور اخلاقی وجود کی تکمیل میں بھی اس محرک کا انتہائی اہم حصہ ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی اگر یہ حدود سے متجاوز ہو جائے تو تمدن ثقافت اور نفسیات و اخلاق کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔یہاں تک کہ انسان اور معاشرے غیرت، حمیت اور خاندانی شرف اور شرم وحیا جیسی اقدار سے عاری ہو جاتے ہیں۔

خدا کے دین میں زنا اسی وجہ سے ایک شنیع جرم ہے۔اس کا وبال دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کے مجرم کو اپنے سر لینا ہوگا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں اس خطرے کی نوعیت سے باخبر کیا ہے۔آپ نے واضح کیا ہے کہ زنا کا آغاز کبھی برے خیالات سے ہوتا ہے، کبھی نظر کی آوارگی سے اور کبھی بری حرکات سے۔چنانچہ اس قبیح جرم سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ان امور سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے۔'فرج اس کی تکذیب یا تصدیق کرتی ہے' سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ زنا صرف اس عمل کا نام نہیں ہے۔یہ تو اس کا واقعاتی مظہر ہے۔زنا کی شروعات تو اس سے پہلے ہو چکی ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ زنا کے جرم کے حوالے سے کوئی قانونی بیان نہیں ہے کہ اس سے دنیا میں اس جرم پر سزا دینے کا کوئی ضابطہ اخذ کیا جائے۔یہ انسان کے باطنی اور اخلاقی وجود کی حفاظت کے لیے ایک نصیحت ہے جس سے رہ تزکیہ کے سالک فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ابن عباس نے اس روایت کو 'لمم' کی تفسیر قرار دیا ہے۔بخاری نے ان کی یہ توجیہ ان الفاظ میں روایت کی ہے:'ما رأیت شیئا أشبه باللمم مما قال ابو هریرہ عن النبی صلی اللّٰه علیه و سلم ان اللّٰه کتب علی ابن......'۔بعض شارحین نے اس قول کی روشنی میں اس روایت کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اس میں زنا کے اصل جرم اور مقدمات زنا میں فرق بیان ہوا ہے۔یہ مقدمات کبیرہ گناہ نہیں ہیں۔یہ بات اگرچہ ایک اعتبار سے درست ہے، لیکن اس سے اس روایت کے رخ اور ہدف کو نقصان پہنچتا ہے۔روایت جنسی جذبات کی عدم تہذیب کو ایک عظیم خطرہ قرار دیتی ہے اور شرح میں اس کے اسی پہلو

کو واضح کرنا چاہیے۔

یہ روایت اپنے ظاہری الفاظ میں زنا کے کسی نہ کسی صورت میں ہر شخص کی تقدیر میں لکھے جانے کو بیان کر رہی ہے۔ درآنحالیکہ روایت کا مدعا یہ نہیں ہے۔ روایت میں یہ اسلوب صنفی کشش کے خدا کی طرف سے ودیعت کیے جانے کو واضح کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسانی فطرت میں اس جذبے کو اس قدر قوی بنا دیا گیا ہے کہ کوئی انسان اس سے منحرف نہیں ہوسکتا۔ اور اگر وہ اس کی جائز صورتیں اختیار نہیں کرے گا تو ناجائز ذرائع سے اس کی تکمیل کرے گا۔

کتابیات

بخاری، کتاب الاستیذان، رقم ۵۷۷۴۔ کتاب القدر، رقم ۶۱۲۲۔ مسلم، کتاب القدر، رقم ۴۸۰۱، ۴۸۰۲۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، رقم ۱۸۴۰۔ احمد، رقم ۷۳۹۴، ۸۰۰۶، ۸۱۷۰، ۸۱۸۳، ۸۲۴۳، ۸۵۷۶، ۸۹۶۳، ۹۱۹۶، ۱۰۴۰۹، ۱۰۴۹۰، ۱۰۴۹۹۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

قانون معاشرت

(۳)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حدود و شرائط

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ، فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً، وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ، اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا۔ (النساء۴:۲۴)

''اور اِن کے ماسوا جو عورتیں ہیں، وہ تمھارے لیے حلال ہیں، اِس طرح کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے اُنھیں طلب کرو، اِس شرط کے ساتھ کہ تم پاک دامن رہنے والے ہو، نہ کہ بدکاری کرنے والے۔ (چنانچہ اس سے پہلے اگر مہر ادا نہیں کیا) تو جو فائدہ اُن سے اٹھایا ہے، اُس کے صلے میں اُن کے مہر اُنھیں ادا کر دو، ایک فرض کے طور پر۔ مہر ٹھیرانے کے بعد، البتہ باہمی رضامندی سے جو کچھ طے کر لو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بے شک، اللہ علیم و حکیم ہے۔''

اس آیت میں نکاح کے لیے جو حدود و شرائط بیان ہوئے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

پہلی بات یہ بیان ہوئی ہے کہ نکاح مال یعنی مہر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ ایک فریضہ کی حیثیت سے یہ نکاح کی ایک لازمی شرط ہے۔ چنانچہ ہدایت فرمائی ہے کہ اس سے پہلے اگر کسی عورت کا مہر ادا نہیں کیا گیا تو اسے فوراً ادا کر دیا جائے۔ مہر ٹھیرانے کے بعد، البتہ اسے اپنے اوپر ایک فرض اور عورت کا حق مان کر آپس کی رضامندی سے کوئی تقدیم و تاخیر یا کمی بیشی اگر کر لی جائے تو اس کی اجازت ہے، لیکن اتنی بات ہر شخص پر واضح رہنی چاہیے کہ جس ہستی نے یہ قانون دیا ہے، وہ علیم و حکیم ہے۔ اس کی ہر بات بے خطا علم اور گہری حکمت پر مبنی ہے۔ لہٰذا نہ اس قانون کی خلاف ورزی کسی

کے لیے جائز ہے اور نہ اس میں کسی ترمیم و تغیر کی جسارت کسی شخص کو کرنی چاہیے۔

یہ مہر کیا ہے؟ مرد و عورت نکاح کے ذریعے سے مستقل رفاقت کا جو عہد باندھتے ہیں، اس میں نان ونفقہ کی ذمہ داریاں ہمیشہ سے مرد اٹھاتا رہا ہے، یہ اس کی علامت (Token) ہے۔ قرآن میں اس کے لیے 'صدقة' اور 'اجر' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی وہ رقم جو عورت کی رفاقت کے صلے میں اس کی ضرورتوں کے لیے دی جائے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ نکاح اور خطبے کی طرح یہ بھی ایک قدیم سنت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں اسی طرح رائج تھی۔ بائیبل میں بھی اس کا ذکر اسی حیثیت سے ہوا ہے۔[۵]

اس کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

> ''جس معاملے کے ساتھ ادائے مال کی شرط لگی ہو اور اس ادائے مال کی حیثیت محض تبرع اور احسان کی نہ ہو، بلکہ ایک فریضہ کی ہو، یہاں تک کہ اگر وہ مذکورہ نہ بھی ہو، جب بھی لازماً مضمر سمجھا جائے اور عورت کی حیثیت عرفی کے اعتبار سے اس کی ادائیگی واجب قرار پائے، شرعاً وعرفاً ایک اہم اور سنجیدہ معاملہ بن جاتا ہے۔ کوئی بھی ذی ہوش آدمی ایسے معاہدے میں ایک پارٹی بننے کی جرأت نہ کرے گا، جب تک وہ سو بار سوچ کر اس میں شرکت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ کرے ـــــــ ان مصالح سے مہر کی شرط ضروری ہوئی۔ جن لوگوں کی نظر ان مصالح کی طرف نہیں گئی، وہ سمجھتے ہیں کہ اس شرط نے عورت کو ایک خریدنی وفروختنی شے کے درجے تک گرا دیا ہے۔ یہ خیال محض ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔ یہ شرط تو ایک آگاہی ہے کہ جو بھی عورت کے حرم میں قدم رکھنا چاہے، وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر قدم رکھے۔ نکاح و طلاق کے معاملے میں کسی مذاق کی گنجایش نہیں ہے۔ یہاں مذاق بھی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے:
>
> ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را''
>
> (تدبر قرآن ۲/ ۲۷۸)

مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی۔ اسے معاشرے کے دستور اور لوگوں کے فیصلے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ عورت کی سماجی حیثیت اور مرد کے معاشی حالات کی رعایت سے وہ جتنا مہر چاہیں، مقرر کر سکتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

سہل بن سعد کا بیان ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ، اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ اپنے آپ کو حضور کے لیے پیش کر دوں۔ سہل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا، اوپر سے نیچے تک نظر ڈالی، پھر سر جھکا لیا۔ عورت نے محسوس کیا کہ آپ نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک شخص آپ کے صحابہ میں سے اٹھا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ، آپ کو ضرورت نہیں تو اسے میرے ساتھ بیاہ

---

۵ پیدایش ۳۴: ۱۲، خروج ۲۲: ۱۷۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دے دیجیے۔ آپ نے پوچھا: تمھارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا: بخدا نہیں، یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا: اپنے گھر جاؤ اور دیکھو، شاید کچھ مل جائے۔ وہ گیا، پھر لوٹ کے آیا اور بتایا کہ خدا کی قسم، کوئی چیز نہیں۔ فرمایا: دیکھو تو سہی، اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ وہ دوبارہ گیا اور واپس آ کر عرض کی: اللہ گواہ ہے کہ وہ بھی نہیں ہے۔ ہاں، یہ تہ بند ضرور ہے ـــــ سہل کہتے ہیں کہ اس کے پاس اوڑھنے کی چادر بھی نہیں تھی ـــــ اس نے عرض کی: یہ تہ بند آدھا اسے دے دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تیرا تہ بند لے کر کیا کرے گی۔ تم پہنو گے تو اس پر کچھ نہیں ہو گا اور یہ پہنے گی تو تمھارے پاس کچھ نہ رہے گا۔ اس پر وہ شخص بیٹھ گیا۔ پھر کافی دیر ہو گئی تو جانے کے لیے اٹھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے دیکھا تو بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے بلایا گیا تو آپ نے پوچھا: تمھیں قرآن کتنا آتا ہے؟ اس نے عرض کی: مجھے فلاں اور فلاں سورتیں آتی ہیں اور گن کر بتائیں۔ آپ نے فرمایا: کیا زبانی یاد ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ ارشاد فرمایا: میں نے اس قرآن کے صلے میں اسے تمھارے ساتھ بیاہ دیا۔[۶]

دوسری بات آیۂ زیر بحث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ نکاح کے لیے پاک دامن ہونا ضروری ہے۔ کوئی زانی یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی عفیفہ سے بیاہ کرے اور نہ کوئی زانیہ یہ حق رکھتی ہے کہ کسی مرد عفیف کے نکاح میں آئے، الّا یہ کہ معاملہ عدالت میں نہ پہنچا ہو اور وہ توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنے آپ کو اس گناہ سے پاک کر لیں۔ 'محصنین، غیر مسافحین' کے الفاظ یہاں اسی شرط کے لیے آئے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن نے یہ بات اس طرح واضح فرمائی ہے:

اَلزَّانِیُ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً وَّ الزَّانِیَةُ لَایَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ، وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (النور ۲۴: ۳)	''یہ زانی نکاح نہ کرنے پائے، مگر زانیہ اور مشرکہ کے ساتھ اور اس زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے، مگر کوئی زانی یا مشرک۔ اور اہل ایمان پر یہ بہرحال حرام ٹھیرایا گیا ہے۔''[۷]

اس آیت میں بھی صاف اشارہ ہے اور دوسرے الہامی صحائف سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ زنا اور شرک بالکل مماثل ہیں۔ جس طرح یہ بات گوارا نہیں کی جا سکتی کہ میاں اور بیوی میں سے کوئی کسی دوسرے کے بستر پر سوئے، اسی طرح یہ بات بھی کسی مسلمان کے لیے قابل برداشت نہیں ہو سکتی کہ اس کے گھر میں خدا کے ساتھ کسی اور کی پرستش کی جائے۔ بلکہ یہ اس کے نزدیک کسی اور کے بستر پر سونے سے زیادہ قابل نفرت چیز ہے۔ زنا اور شرک کی یہ مماثلت سمجھی جا سکتی تھی، لیکن قرآن

---

۶ بخاری، رقم ۴۶۹۷۔

۷ بعض روایتوں میں بھی یہ بات اسی صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: ابوداؤد، رقم ۲۰۵۱، ۲۰۵۲۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھیے اسی کتاب میں: ''حدود و تعزیرات''۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نے دوسری جگہ اسے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ، وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ، وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا، وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ۔ (البقرہ ۲:۲۲۱)

''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور (یاد رکھو کہ) ایک مسلمان لونڈی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمھیں کتنی ہی بھلی لگے۔ اور اپنی عورتیں مشرکین کے نکاح میں نہ دو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور (یاد رکھو کہ) ایک مسلمان غلام مشرک شریف زادے سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمھیں کتنا ہی بھلا لگے۔[۸]''

یہود و نصاریٰ بھی علم و عمل، دنوں میں شرک جیسی نجاست سے پوری طرح آلودہ تھے، لیکن اس کے باوجود وہ چونکہ اصلاً توحید ہی کے ماننے والے ہیں، اس لیے اتنی رعایت اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ ان کی پاک دامن عورتوں سے مسلمانوں کو نکاح کی اجازت دے دی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ۔ (المائدہ ۵:۵)

''اور تم سے پہلے کے اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں بھی (حلال ہیں)، جب تم اُن کے مہر ادا کرو، اِس شرط کے ساتھ کہ تم بھی پاک دامن رہنے والے ہو، نہ بدکاری کرنے والے اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے والے۔''

آیت کے سیاق سے واضح ہے کہ یہ اجازت اس وقت دی گئی، جب توحید کے معاملے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا اور مشرکانہ تہذیب پر اس کا غلبہ ہر لحاظ سے قائم ہو گیا۔ اس کے لیے آیت کے شروع میں لفظ 'الیوم' کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت میں وقت کے حالات کو بھی یقیناً دخل تھا۔ لہٰذا اس بات کی پوری توقع تھی کہ مسلمان ان عورتوں سے نکاح کریں گے تو یہ ان سے متاثر ہوں گی اور اس طرح شرک و توحید کے مابین کوئی تصادم نہ صرف یہ کہ پیدا نہیں ہو گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں بہت سی ایمان و اسلام سے مشرف ہو جائیں۔

چنانچہ اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے وقت یہ چیز اس زمانے میں بھی لازماً ملحوظ رہنی چاہیے۔

۸؎ سورۂ ممتحنہ (۶۰) کی آیت ۱۰ میں جن کافروں سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس کا باعث بھی ان کا شرک ہی ہے۔ آیت سے واضح ہے کہ اس میں کافروں سے مراد مشرکین عرب ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسی طرح یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ نکاح خاندان کے جس ادارے کو وجود میں لانے کے لیے کیا جاتا ہے، اس کی حرمت کا تقاضا ہے کہ یہ والدین اور سرپرستوں کو ساتھ لے کر اور ان کی رضامندی سے کیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نکاح میں فیصلہ اصلاً مرد و عورت کرتے ہیں اور ان کے علانیہ ایجاب و قبول سے یہ منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اولیا کا اذن اگر اس میں شامل نہیں ہے تو اس کی کوئی معقول وجہ لازماً سامنے آنی چاہیے۔ یہ نہ ہو تو معاشرے کا نظم اجتماعی یہ حق رکھتا ہے کہ اس نکاح کو باطل قرار دے۔[9] 'لا نکاح الا بولی[10]' (سرپرست کے بغیر کوئی نکاح نہیں) اور اس طرح کی دوسری روایتوں میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔ عورت کی بغاوت چونکہ اس معاملے میں خاندان کے لیے غیر معمولی اختلال کا باعث بن جاتی ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے اولیا پر واضح کر دیا ہے کہ اس کے بارے میں وہ کوئی فیصلہ اس کی اجازت کے بغیر نہ کریں، ورنہ عورت چاہے گی تو ان کا یہ فیصلہ رد کر دیا جائے گا۔

ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ کا نکاح اس سے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کی اجازت ضروری ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اس کی اجازت کیسے ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ خاموش رہے تو یہی اجازت ہے۔[11]

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بیوہ اپنا فیصلہ خود کر سکتی ہے اور کنواری سے اجازت لینی چاہیے۔[12]

بنت خذام کہتی ہیں کہ وہ بیوہ ہوئیں تو ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا۔ انھیں یہ فیصلہ پسند نہیں آیا۔ چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے انھیں نکاح ختم کرنے کی اجازت دے دی۔[13]

[باقی]

---

۹ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس دوران میں جو کچھ ہو چکا ہے، اسے ناجائز قرار دیا جائے گا، بلکہ یہی ہیں کہ اسے آیندہ کے لیے ختم کر دیا جائے گا۔

۱۰ ابوداؤد، رقم ۲۰۸۵۔

۱۱ بخاری، رقم ۴۷۴۱۔

۱۲ مسلم، رقم ۲۵۴۵۔

۱۳ بخاری، رقم ۴۷۴۳۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

منظور الحسن

روزہ ـــــ قرآنِ مجید کی روشنی میں

[مدیرِ ''اشراق'' کے افادات سے مرتب کیا گیا]

اسلامی شریعت میں جو عبادات لازم کی گئی ہیں ان میں نماز اور انفاق کے بعد روزے کی عبادت ہے۔ قرآنِ مجید کے مطابق یہ کوئی نئی عبادت نہیں ہے جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مشروع ہوئی ہے۔ یہ قدیم ترین عبادت ہے جو امت مسلمہ سے پہلی امتوں پر بھی فرض رہی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (البقرہ ۲: ۱۸۳)

''ایمان والو، تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے اول البشر حضرت آدم علیہ السلام ہی کے زمانے سے انسانوں کو اپنی ہدایت دینے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (البقرہ ۲: ۳۸)

''تو اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کرنے کا پہلا وعدہ ہے۔ حضرت آدم کی لغزش سے انسانی فطرت اور انسانی عقل کا وہ ضعف ظاہر ہو گیا جو انسان کو وحیِ الٰہی کی رہنمائی اور انبیا علیہم السلام کی دست گیری کا محتاج ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کی اس کمزوری پر نگاہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بطورِ تسکین و تسلی یہ وعدہ فرمایا کہ وہ خود اپنی طرف سے انسان کی رہنمائی کے لیے روشنی بھیجے گا تو جو لوگ اس روشنی کی قدر کریں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

گے،ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔'' (تدبر قرآن ۱/۱۷۰)

دین الٰہی کی صورت میں یہ ہدایت انبیا علیہم السلام کے ذریعے سے بنی نوعِ انسان کو مسلسل ملتی رہی ہے۔اس سلسلہ کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔انھوں نے دین کے بنیادی احکام انبیا کی روایت کی حیثیت سے اپنی امت میں جاری فرمائے۔ان میں سے بعض قرآنِ مجید کے ذریعے سے اس امت پر لازم ہوئے ہیں اور بعض رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی تصویب سے جاری فرمائے ہیں۔دین کے ان بنیادی احکام میں اللہ کی بندگی بجالانے کا ایک طریقہ نماز کی صورت میں مقرر کیا گیا ہے۔پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہدایات دی گئی ہیں اور انھیں انفاق سے تعبیر کر کے من جملہ عبادات قرار دیا گیا ہے۔اسی طرح سال میں ایک ماہ کے روزوں کو عبادت کی حیثیت سے جاری رکھا گیا ہے۔

روزے کا مقصد ــــــ تقویٰ

روزہ کس لیے فرض کیا گیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ اس بات کو خود قرآنِ مجید نے 'لعلکم تتقون' کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔یعنی بندوں پر روزہ اس لیے لازم کیا گیا ہے کہ ان کے اندر تقویٰ پیدا ہو۔تقویٰ کے مفہوم و مدعا کو ہم حسبِ ذیل عنوانات کے تحت بیان کر سکتے ہیں:

تقویٰ کا مفہوم

تقویٰ ہمارے دین کی خاص اصطلاح ہے۔اس کا مدعا بالکل وہی ہے جسے ہم اردو زبان میں حدود آشنائی کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔یعنی انسان اس دنیا میں زندگی بسر کرتے ہوئے نچنت اور بے خوف نہ رہے، بے پروائی اور لاابالی پن کا رویہ اختیار نہ کرے، بلکہ متنبہ ہو کر، بیدار ہو کر اور خبردار ہو کر زندگی گزارے۔وہ اس بارے میں کبھی غفلت میں مبتلا نہ ہو کہ وہ اس دنیا میں کس لیے بھیجا گیا ہے، اس کا منتہا کیا ہے، اس کو ایک دن کس صورتِ حال سے دوچار ہونا ہے، اس کے لیے حقیقی زندگی کون سی ہے؟ وہ ان حقائق کے بارے میں پوری طرح متنبہ رہے اور زندگی کے کسی مرحلے میں بھی ان سے غافل نہ ہو۔جب انسان اس تنبہ اور اس بیداری کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے تو پھر وہ اپنی خواہشات کی غلامی میں مبتلا نہیں ہوتا۔

اللہ کی بندگی تقویٰ ہے

تقویٰ یہ ہے کہ انسان دنیا میں اللہ کا فرماں بردار بندہ بن کر زندگی گزارے۔انسان کے لیے اصل آزمایش ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمتیں پا کر اس کا شکر گزار بندہ بن کر رہتا ہے یا کفرانِ نعمت کا رویہ اختیار کرتا ہے۔انسان جب نافرمانی، سرکشی اور انتہا پسندی سے گریز کر کے اللہ تعالیٰ کے حدود کی پاس داری کرتا ہے تو گویا وہ تقویٰ اختیار کرتا ہے۔اس بندگی کے معنی یہ ہیں کہ:

''بندہ اس تعلق میں اپنے پروردگار کی یاد سے اطمینان حاصل کرتا، اس کی عنایتوں پر اس کے لیے شکر کے جذبات کو اپنے اندر سیلِ بے پناہ کی طرح اُمڈتے ہوئے دیکھتا، اس کی ناراضی سے ڈرتا، اسی کا ہو رہتا، اس کے بھروسے پر جیتا، اپنا ہر معاملہ

اس کے سپرد اور اپنے پورے وجود کو اس کے حوالے کر دیتا اور زندگی میں ہر قدم پر اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔'' (جاوید احمد غامدی، میزان ۷۸)

اللہ کے ہاں جواب دہی کا احساس تقویٰ ہے

تقویٰ یہ ہے کہ انسان ہر لحظہ اس بارے میں متنبہ رہے کہ اسے ایک روز احکم الحاکمین کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ ایک وہ وقت آنا ہے جب اسے اس کی ذمہ داریوں کے لیے جواب دہ ٹھہرایا جانا ہے۔ جواب دہی کا یہی احساس ہے جو انسان کو زندگی کی راہِ پرخار پر بچ بچا کر اور دامن کو سمیٹ کر چلنے کا طرزِ عمل سکھلاتا ہے۔ یہی احساس اور یہی طرزِ عمل اصل میں تقویٰ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک صحابی نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ اگر کبھی آپ کسی کانٹوں بھرے راستے سے گزریں تو اس میں کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟ صحابی نے کہا کہ میں اپنے دامن کو سمیٹ لیتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بس یہی تقویٰ ہے۔

تزکیۂ نفس کے لیے جدوجہد تقویٰ ہے

تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے تزکیے کے لیے سرگرم عمل رہے۔ دین کا مقصد تزکیۂ نفس ہے۔ انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اپنے آپ کو پاکیزہ رکھنے کی کوشش ہی اصل میں تقویٰ ہے۔

اپنے نفس پر قابو پانا تقویٰ ہے

تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے ان میلانات پر قابو رکھے جو اسے بدی پر ابھارتے ہیں۔ وہ غصے پر قابو رکھے، جذبات کے سیلِ رواں کو حدود میں رکھے، ردِ عمل کی کیفیت میں مبتلا نہ ہو، نفرت اور کدورت کو اپنے اندر پیدا نہ ہونے دے، مادی لذات اور نفسانی خواہشات کو حدود میں رکھے، بطن و فرج کے تقاضوں کو اپنے دینی و اخلاقی وجود پر غلبہ نہ پانے دے۔ وہ یہ فیصلہ کر لے کہ اسے اپنے نفس کے آگے نہیں جھکنا، بلکہ اسے اپنے آگے جھکانا ہے۔ گویا تقویٰ سے مقصود نفس کو جھکانا ہے، اسے مارنا نہیں ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کے جواب میں اس حقیقت کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوتا ہے۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟ فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی ہے، مگر میں نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو اپنے نفس کا گلا نہیں گھونٹ دینا چاہیے، بلکہ اسے حدود کا پابند بنانا چاہیے۔

ذمہ داری سے زندگی بسر کرنا تقویٰ ہے

تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنی ذمہ داریوں کو دل جمعی اور خلوصِ نیت کے ساتھ نبھائے۔ وہ ان حقوق کو ادا کرے جو اس کی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انفرادی حیثیت میں اس پر عائد ہوتے ہیں۔ان فرائض کو بجالائے جو خاندان کے اندر اس پر لاگو ہوتے ہیں۔ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو جن کا تقاضا معاشرہ اور ریاست کرتے ہیں۔یعنی آدمی اسی دنیا میں رہے، اسی میں اپنا رزق کمائے، اسی میں اپنا فعال کردار ادا کرے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی فطرت پر پیدا کیا ہے۔اسے اپنی اس فطرت سے انحراف کرنے کے بجائے اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔یہی کوشش اور جدوجہد تقویٰ ہے۔

اخلاقی وجود کی حفاظت تقویٰ ہے

تقویٰ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اپنے اخلاقی وجود کی نگہبانی کرتا رہے۔ یہ اخلاقی وجود ہی ہے جو انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر و شر کا پورا شعور دے کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔زندگی کے ہر موڑ پر وہ خیر و شر کے واضح ادراک کے ساتھ اچھا یا برا فیصلہ کرتا ہے۔ ہر اچھا فیصلہ کرتے وقت وہ ان اخلاقی اقدار اور ضوابط کو ملحوظ رکھتا ہے جو انسانیت کا شرف ہیں اور اس کے پروردگار نے اس کی فطرت میں ودیعت کیے ہیں۔انھیں ہر انسان اپنے اندر ضمیر کی آواز کے طور پر محسوس کرتا ہے۔اگر وہ ان کا لحاظ کرتا ہے تو انسان ہے، اگر لحاظ نہیں کرتا تو پھر محض دو ٹانگوں کا ایک جانور ہے، اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اخلاقی وجود کی حفاظت و نگہبانی سے مراد یہ ہے کہ انسان ہر کام کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لے کہ یہ کام اس کے شایانِ شان ہے بھی یا نہیں۔اس کا اخلاقی وجود اس سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ جھوٹ نہ بولے، دھوکا نہ دے، خیانت نہ کرے، ظلم نہ کرے، حق نہ مارے، بے انصافی نہ کرے۔اخلاقی وجود اس سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ ذمہ داریوں کو پورا کرے، حقوق ادا کرے، صداقت کا بول بالا کرے، مخلوقِ خداوندی سے محبت کرے، نعمت پر شکر کرے، مصیبت میں صبر کرے، بڑے کا ادب کرے، چھوٹے پر شفقت کرے۔غرض یہ کہ اپنے ضمیر کی آواز پر کان لگائے رکھے۔ وہ اگر کسی کام سے روک دے تو رک جائے اور اگر کسی کام کی ترغیب دے تو اسے بخوبی انجام دے۔

تقویٰ رہبانیت نہیں ہے

انسان کی آزمایش یہ ہے کہ اسے اپنی خواہشات، اپنے جذبات اور اپنی رغبات کے اندر ہی زندگی بسر کرنا ہوتی ہے۔ انسانی جبلت میں موجود یہ ساری چیزیں پورا زور لگاتی ہیں کہ وہ اعتدال اور توازن کے راستے پر نہ رہے۔ جب انسان ان کے خلاف جنگ کرتا ہے تو بعض اوقات دوسری انتہا پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ دوسری انتہا مذاہب میں رہبانیت کے نام سے موسوم رہی ہے۔اس کی ایک بڑی دردانگیز تاریخ ہے۔ گویا انسان جب مادی زندگی کی لذتوں کو اپنا اصل ہدف بناتا ہے تو اس سے بہت غیر معمولی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔اسی طرح سے جب وہ ان سے پیچھا چھڑانے کی کوشش میں ترکِ دنیا کو اپنا ہدف ٹھہراتا ہے

تو اس سے بھی بے پناہ مفسدات پیدا ہوتے ہیں۔ رہبانیت اور ترکِ دنیا کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایک بار یہ فیصلہ کر لے کہ اسے دنیا سے بالکل کنارہ کش ہو جانا ہے۔ اس دنیا کے اندر جو چیزیں اس کے لیے آزمایش کے طور پر پیدا کی گئی ہیں، انھیں چھوڑ دینا ہے۔ علم و عقل، مال و دولت، حسن و جمال، حشمت و اقتدار غرض مادی زندگی کے جو داعیات بھی انسان کو حدود سے تجاوز پر آمادہ کر سکتے ہیں، وہ انھیں بالکلیہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ وہ ایک ایسی زندگی اختیار کر لیتا ہے جس میں وہ نفس کے داعیات کا کم سے کم جواب دہ ہو۔ جب انسان رہبانیت کی یہ صورت اختیار کرتا ہے تو بظاہر وہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے دنیا کی آزمایش میں اپنے لیے ایک آسان راستہ اختیار کر لیا ہے۔ یہ فیصلہ پہلی بار بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن ایک بار جب کر لیا جاتا ہے تو پھر اس کے بعد اس میں وہ مشکلات نہیں رہتیں جن سے ایک متقی آدمی ہر روز گزر رہا ہوتا ہے۔ رہبانیت اور ترکِ دنیا کا یہ راستہ فطرت اور دین سے انحراف کا راستہ ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی شریعت انسان کو اعتدال اور توازن کا راستہ بتاتی ہے۔ وہ انسان کو جس چیز کی تربیت دیتی ہے، وہ رہبانیت نہیں ہے، بلکہ تقویٰ ہے۔

تقویٰ کے حصول کا طریقہ

تقویٰ کی منزل کو پانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس ضمن میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے:

ایک یہ کہ تقویٰ کے حصول کے لیے تدریج کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ دین کی حکمت بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انسان اگر کوئی صلاحیت یا کوئی رویہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہے تو وہ اسے فوراً پیدا نہیں کر سکتا، بلکہ ارادہ اور عمل کے مسلسل تعامل سے اسے بتدریج اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص نیکیوں کی ایک فہرست بنا کر اپنے سامنے رکھے اور انھیں فوراً اپنی شخصیت کا حصہ بنا لے۔ یہ ممکن نہیں کہ پانچویں جماعت کے بچے کو ایم۔ اے کا کورس پڑھانا شروع کر دیا جائے۔ علوم کے حصول لیے بہر حال تدریجی مراحل مقرر کرنے پڑتے ہیں۔ فنون سیکھنے کے لیے بھی مشق اور مزاولت کے تدریجی مراحل طے کیے جاتے ہیں۔ دینی و اخلاقی تربیت کا اصول بھی یہی ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی صورت میں ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا کہ بعثت کے ساتھ ہی پوری کتاب آپ کے سپرد کر دی ہو، بلکہ دعوت کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے تدریج کے ساتھ قرآن نازل فرمایا۔ چنانچہ تقویٰ کی منزل پانے کے لیے بھی تدریجی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

دوسرے یہ کہ اپنے روزمرہ معمولات میں یہ تین چیزیں لازماً شامل کر لی جائیں:

۱۔ روزانہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھی جائے۔

۲۔ روزانہ چند آیاتِ قرآنی کی سمجھ کر تلاوت کی جائے۔

۳۔ ہفتے میں کم سے کم ایک بار کسی صالح بندۂ خدا کی مجلس میں کچھ وقت گزارا جائے۔

مسجد کا ماحول، قرآنِ مجید کی براہِ راست تذکیر اور بندۂ مومن کی صحبت کی تاثیر نخلِ تقویٰ کی آب یاری میں بنیادی کردار ادا کرے گی۔

روزہ تقویٰ کی تربیت گاہ ہے

تقویٰ کی تربیت دینے کے لیے شریعت نے روزے کی عبادت کو خاص کیا ہے۔ سال میں ایک مرتبہ ۷۲۰ گھنٹے کی تربیت گاہ قائم کر دی جاتی ہے اور نہایت غیر معمولی طریقے سے کروڑوں لوگ اس سے گزرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''روزے کی عبادت اس تقویٰ کی تربیت کی خاص عبادت ہے جس پر تمام دین و شریعت کے قیام و بقا کا انحصار ہے اور جس کے حاملین ہی کے لیے قرآن ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ گویا قرآنِ حکیم کا حقیقی فیض صرف ان لوگوں کے لیے خاص ہے جن کے اندر تقویٰ کی روح ہو اور اس تقویٰ کا خاص ذریعہ روزے کی عبادت ہے اس وجہ سے رب کریم و حکیم نے اس مہینے کو روزوں کے لیے خاص فرما دیا جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اس دنیا کے لیے بہار ہے اور رمضان کا مہینا موسمِ بہار ہے اور یہ موسمِ بہار جس فصل کو نشو و نما بخشتا ہے وہ تقویٰ کی فصل ہے۔'' (تدبرِ قرآن ۱/۴۵۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

روزہ اللہ ہی کے لیے ہے

ایک بندۂ مومن روزہ رکھ کر درحقیقت اپنے پروردگار کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرتا ہے اور فقط اس کی رضا جوئی کے لیے اپنی جسمانی ضرورتوں اور جائز خواہشوں سے بھی دست بردار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزے کو خاص اپنے لیے قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''ابنِ آدم کا ہر نیک عمل بڑھایا جائے گا، دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ صرف روزے کا معاملہ اس سے مختلف ہے، یہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا، کیونکہ بندہ صرف میری ہی خاطر اپنی خواہشوں اور اپنے کھانے کو چھوڑتا ہے۔'' (مسلم، کتاب الصوم)

روزے کی شریعت

اہلِ عرب کے ہاں دیگر عبادات کی طرح روزہ بھی ایک معلوم و معروف عبادت تھی۔ یعنی ایسا نہیں تھا کہ قرآنِ مجید نے آ کر اس عبادت کو شروع کیا۔ 'کما کتب علی الذین من قبلکم'، ''جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا'' کے الفاظ بھی اسی حقیقت کو بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ روزے کی شریعت کے حوالے سے قرآنِ مجید نے صرف انھی معاملات کو

واضح کیا جن کے بارے میں لوگوں کے ہاں کچھ ابہام موجود تھا یا جن میں کچھ تجدید و اصلاح کی ضرورت تھی۔ یہ معاملات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ماہِ رمضان کا تعین

روزوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے کا انتخاب کیا ہے۔ اس مہینے کو اس لیے خاص کیا گیا کہ اس میں قرآنِ مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ ارشاد فرمایا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ (البقرہ۲:۱۸۵)

''رمضان کا مہینا ہے جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر۔''

مولانا امین احسن اصلاحی اس پہلو کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''رمضان وہ مبارک مہینا ہے جس میں دنیا کی ہدایت کے لیے قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔ اس عظیم نعمت کی شکرگزاری کا تقاضا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے کو روزوں کے لیے خاص فرما دیا تاکہ اس میں بندے اپنے نفس کی خواہشات اور شیطان کی ترغیبات سے آزاد ہو کر اپنے رب سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکیں اور اپنے قول و فعل، اپنے ظاہر و باطن اور اپنے روز و شب، ہر چیز سے اس حقیقت کا اظہار و اعلان کریں کہ خدا اور اس کے حکم سے بڑی ان کے نزدیک اس دنیا کی کوئی چیز بھی نہیں ہے۔'' (تدبرِ قرآن ۱/۴۵۱)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲۔ گنتی کے چند دن

قرآنِ مجید نے روزوں کی مدت کو 'ایاماً معدودات' ''گنتی کے چند دن'' سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے مراد ماہِ رمضان کے ۳۰ یا ۲۹ دن ہیں۔ یعنی روزے کی یہ مشقت زیادہ عرصے کے لیے نہیں ڈالی گئی، بلکہ سال بھر میں یہ گنے چنے چند روز ہیں جن میں روزہ فرض کیا گیا ہے۔ گویا یہ تزکیۂ نفس اور تقویٰ کی تربیت کا محض چند روزہ کورس ہے، اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

۳۔ روزے کے اوقات

روزے کے اوقات کے حوالے سے قرآنِ مجید کا ارشاد ہے:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ (البقرہ۲:۱۸۷)

''اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری شب کی سیاہ دھاری سے نمایاں ہو جائے، پھر رات تک روزہ پورا کرو۔''

مولانا امین احسن اصلاحی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے نمایاں ہو جائے، یہ چیز ہمارے روزوں کو اہل

کتاب کے روزوں سے بالکل الگ کر دیتی ہے۔ان کے ہاں رات کو اٹھ کر کھانے پینے یا ازدواجی تعلقات کی اجازت نہیں تھی۔اسلام نے نہ صرف یہ کہ اس کی اجازت دی، بلکہ اس کی تاکید کی ہے۔قرآن کے الفاظ سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی یہ اجازت صبحِ صادق کے اچھی طرح نمایاں ہو جانے تک ہے،اسی بات کی تائید احادیث اور صحابہ کے عمل سے بھی ہوتی ہے۔اس وجہ سے محض احتیاط کے غلو کے سبب سے اپنے یا دوسروں کے روزے محض معمولی تقدیم و تاخیر پر مشتبہ قرار دے بیٹھنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔'' (تدبر قرآن ۱/۴۵۹)

''روزے کو رات ہونے تک پورا کرو'' کے حکم کے اطلاق کے حوالے سے اس امت کے فقہا میں کچھ اختلاف رہا ہے۔ بعض فقہا کا خیال ہے کہ غروبِ آفتاب کے ساتھ رات کا آغاز ہوتے ہی روزہ کھول لینا چاہیے۔بعض اہلِ علم کے نزدیک جب کچھ رات گزر جائے تو پھر روزہ افطار کرنا چاہیے۔اس اختلاف کے نتیجے میں عملاً تقریباً دس پندرہ منٹ کا فرق پڑتا ہے۔ یہ بات کو سمجھنے کا اختلاف ہے۔اسے بڑا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔جس بات پر اطمینان محسوس ہو اسے اختیار کر لینا چاہیے۔

۴۔مریضوں اور مسافروں کے لیے رخصت

ابتدائی طور پر قرآنِ مجید نے یہ رخصت دی تھی کہ اگر کوئی شخص حالتِ مرض میں یا حالتِ سفر میں ہونے کی وجہ سے روزے چھوڑنا چاہے تو وہ بعد میں چھوڑے ہوئے روزوں کو پورا کر لے یا پھر ایک روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔ (البقرہ۲:۱۸۴)	''اس پر بھی جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کر دے۔اور جو لوگ ایک مسکین کو کھانا کھلا سکیں ان پر ایک روزے کا بدلہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔''

بعدازاں قرآنِ مجید نے مسکین کو کھانا کھلا کر روزے سے بری ہونے کی اجازت ختم کر دی:

وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ (البقرہ۲:۱۸۵)	''اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لے۔''

۵۔رمضان کی راتوں میں ازدواجی تعلق کی اجازت

اہل عرب میں سے یہود کے ہاں روزے کی عبادت سب سے نمایاں تھی۔ان کے ہاں افطار کے ساتھ ہی اگلا روزہ شروع ہو جاتا تھا۔اس وجہ سے انھیں رات کے اوقات میں کھانے پینے اور زن و شو کے تعلق کی ممانعت تھی۔یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے باعثِ تردد تھی۔چنانچہ بعض مسلمانوں نے اسی تردد میں اپنے تئیں یہ تصور کر لیا کہ رات کے اوقات میں ازدواجی تعلق

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ممنوع ہے۔ پھر بعض لوگوں نے اپنے اس تصور کی خلاف ورزی بھی کر ڈالی۔ اسی کو قرآنِ مجید نے اپنے نفس کے ساتھ خیانت سے تعبیر فرمایا ہے، مسلمانوں کی یہ ہدایت چونکہ شریعت کے منشا کے مطابق نہیں تھی اور بعض محتاط مسلمانوں نے اسے ازخود اپنے اوپر عائد کر لیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس خیانت سے درگزر فرمایا اور رات میں بیویوں سے تعلق کی اجازت دے دی:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ (البقرہ ۲: ۱۸۷)

''تمھارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز کیا گیا۔ وہ تمھارے لیے بمنزلہ لباس ہیں اور تم ان کے لیے بمنزلہ لباس ہو۔ اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے تو اس نے تم پر عنایت کی اور تم سے درگزر فرمایا تو اب تم ان سے ملو اور اللہ نے جو تمھارے لیے مقدر کر رکھا ہے اس کے طالب بنو۔''

اعتکاف

اعتکاف رمضان کے آخری عشرے کی عبادت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بندۂ خدا ہر چیز سے کٹ کر اور دنیا کے ہر معاملے سے الگ ہو کر پوری یک سوئی کے ساتھ یادِ الٰہی کے لیے گوشہ نشین ہو جائے۔ قرآنِ مجید میں اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ ۔ (البقرہ ۲: ۱۸۷)

''اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو تو اس حالت میں بیویوں سے نہ ملو۔''

اس آیت سے حسبِ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ یہ انبیا علیہم السلام کی سنت ہے۔ اعتکاف کا ذکر جس طریقے سے کیا گیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبادت پہلے سے موجود تھی۔

دوسرے یہ کہ اس عبادت کی مناسبت روزے اور رمضان کے ساتھ ہے۔

تیسرے یہ کہ اعتکاف مسجد ہی میں ہونا چاہیے۔

چوتھے یہ کہ اعتکاف کی حالت میں ازدواجی تعلق پر پابندی ہوگی۔

ماہِ رمضان تقویٰ کی تربیت پانے کا مہینا ہے۔ اس مہینے کو انسان اگر پوری قوتِ ارادی کے ساتھ اپنے نفس کی اصلاح و تربیت کے لیے خاص کر دے تو وہ خواہشات اور جذبات کی غلامی سے نکل کر اپنے پروردگار کی غلامی میں آ جاتا ہے۔ یہی غلامی جنت کی ابدی بادشاہی کا پیش خیمہ ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد عمار خان ناصر

اسلام میں عبادت

کیفیات اور رسوم

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

انسان میں عبادت کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے۔ اس لیے کہ اس کی بنیاد خالق کی ہستی اور اس کے احسانات کے شعور پر ہے جو انسان کی فطرت میں اس طرح پیوست ہے کہ کوئی چیز اسے اس سے جدا نہیں کر سکتی۔ مذہب اپنی نفسیاتی بنیاد کے لحاظ سے تمام تر انسان کے جذبۂ شکر واعتراف کی تصویر ہے۔ انسان جب کائنات میں اپنے مالک کی قدرت وعظمت کے بے شمار مظاہر کا مشاہدہ کرتا اور اپنی روزمرہ زندگی میں اس کی بے پایاں رحمت وربوبیت کا تجربہ کرتا ہے تو اس کے دل میں شکر وتعظیم، خشیت وتضرع اور امید وتوقع کے بے پناہ جذبات امڈ آتے ہیں۔ یہ روحانی جذبات جب مختلف رسوم کی شکل میں ایک جسمانی قالب اختیار کرتے ہیں تو اس سے عبادت وجود میں آتی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ایک مکمل اور فطری عبادت وہی ہے جو اعلیٰ جذبات وکیفیات اور اعلیٰ رسوم دونوں کے امتزاج سے وجود میں آئے۔ جذبہ نامکمل ہے، اگر اس کے اظہار کے لیے رسوم کا سہارا نہ لیا جائے، اور رسوم کی حیثیت محض ایک مشینی عمل کی ہے، اگر ان کی پشت پر خالص اور سچے جذبات کارفرما نہ ہوں۔ انسانی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انسان اپنے دوسرے بہت سے معاملات کی طرح اس معاملے میں بھی اعتدال پر قائم نہیں رہ سکا، بلکہ اکثر وبیشتر افراط وتفریط ہی میں مبتلا رہا۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس معاملے میں بھی آں سوے افلاک کی طرف سے انسان کو رہنمائی میسر آئے جو اس کے اس فطری تقاضے کی تشفی وتکمیل کا سامان مہیا کر سکے۔

آیئے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ آخری شریعت میں جو نظام عبادت تجویز فرمایا ہے، اس میں کس خوبی کے ساتھ ان دونوں پہلوؤں کی رعایت کی گئی ہے۔

رسوم عبادت کی تعیین

اس نظام عبادت کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس میں رسوم عبادت بالکل متعین طور پر بتا دی گئیں اور ان کی تمام حدود وقیود کو

واضح کرتے ہوئے ان میں کمی بیشی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من احدث فی امرنا هذا ما ليس فيه فهو رد ۔ (بخاری، رقم ۲۶۹۷)

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے، وہ قابل رد ہے۔''

نیز فرمایا:

اياكم و محدثات الامور فان كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة ۔ (ابوداؤد، رقم ۴۶۰۷)

''دین میں نئے نئے کاموں سے بچو۔ کیونکہ ایسا ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس کی حکمت ایک تو یہ ہے کہ اس طریقے سے انسان کے جذبۂ عبادت کی تربیت کے لیے ایک بالکل متوازن اور فطری نظام مہیا ہو جاتا ہے جس میں انسان کے تمام نفسیاتی تقاضوں کو نہایت عمدگی سے سمو دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کے خالق سے بڑھ کر کوئی ذات اس کے روحانی و نفسیاتی تقاضوں کو نہیں سمجھ سکتی، لہٰذا کوئی بھی طریقہ خدا کے بتائے ہوئے طریقے سے بڑھ کر ان تقاضوں کی تسکین نہیں کر سکتا۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اس طریقے سے عبادت کے جذبے کو ان تمام غیر فطری تجاوزات اور آمیزشوں سے محفوظ رکھنے کا سامان ہو جاتا ہے جن کی مثالیں نسل انسانی کی تاریخ میں جا بجا دیکھی جا سکتی ہیں۔ مظاہر پرست مذاہب، عیسائیت کی رہبانیت اور مبتدعانہ تصوف میں عقل و فطرت کے منافی جو طریقہ ہائے عبادت اختیار کیے گئے، ان کو اگر سامنے رکھا جائے تو اس بات کی حکمت سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ رسوم عبادت کا ایک متعین نظام دوسرے مذاہب سے مذہب حق کے امتیاز کا ایک نہایت قوی خارجی عامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف مذاہب میں باہمی امتیاز صرف ان کے رسوم عبادت ہی سے ممکن ہے۔ جہاں تک ان رسوم کے پس منظر میں موجود جذبات و نفسیات کا تعلق ہے تو وہ، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، سب مذاہب میں مشترک ہیں، اس لیے کہ وہ انسان کے فطری جذبات ہیں۔ چنانچہ اگر ایک متعین طریقۂ عبادت کی عصبیت لازم نہ کی جائے اور ہر قسم کے طریقوں کو اختیار کرنے کی اجازت ہو تو سماجی سطح پر مذہب حق کی حفاظت اور دوسرے مذاہب سے اس کے امتیاز کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی اور ظاہر ہے کہ خدا کی حکمت میں یہ بات ناقابل تصور ہے۔

کیفیات کی اہمیت

اسلامی نظام عبادت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں روحانی جذبات و کیفیات اپنے بالکل فطری مقام پر رکھے گئے ہیں۔ آیئے اس حقیقت کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سب سے پہلی حقیقت جو قرآن اور حدیث میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے، یہ ہے کہ عبادات میں اللہ کے نزدیک اصل قدر و قیمت ظاہری رسوم کی نہیں، بلکہ انسان کے داخلی جذبہ کی ہے۔ سورۂ حج میں قربانی کے متعلق ارشاد ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۔ (الحج ۲۲: ۳۷)

''اللہ کو ان قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے، بلکہ تمھارا وہ تقویٰ پہنچتا ہے (جس کی بنا پر تم یہ عمل انجام دیتے ہو)۔''

چنانچہ اسلام میں کسی عمل کے کمال کے مدار ہی اس بات پر ہے کہ اس کے ادا کرتے وقت انسان کی کیفیاتی حالت کیا تھی۔ دین میں روحانی لحاظ سے منتہاے کمال ''احسان'' کا درجہ ہے، جس کا لغوی معنی ہے کسی کام کو بہترین صورت میں انجام دینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

ان تعبد اللّٰه كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك ۔ (بخاری، رقم ۵۰)

''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس انہماک کے ساتھ کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمھیں دیکھ ہی رہا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسی بنیاد پر اعمال کے اجر و ثواب میں بھی کمی ہوتی ہے۔ حضرت عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الرجل لينصرف وما كتب له الا عشر صلاته، تسعها، ثمنها، سبعها، سدسها، خمسها، ربعها، ثلثها، نصفها ۔ (الترغیب والترہیب لابن حجر، ۵۷)

''آدمی نماز پڑھ کر پلٹتا ہے تو کسی کو دسواں حصہ ثواب ملتا ہے، کسی کو نواں، کسی کو آٹھواں، کسی کو ساتواں، کسی کو چھٹا، کسی کو پانچواں، کسی کو چوتھا، کسی کو تیسرا اور کسی کو آدھا حصہ۔''

اگر عبادت کا عمل اس جذبے سے تہی ہو کر محض رسوم کی ادائیگی تک محدود رہ جائے تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ چنانچہ دیکھیے:

روزے کا مقصد انسان کو ضبط نفس کی تربیت دینا ہے۔ اگر انسان ظاہراً کھانا پینا تو چھوڑ دے، لیکن خواہشات نفس پر کنٹرول نہ کرے تو اس کا بھوکا پیاسا رہنا محض ایک بے کار عمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في ان يدع طعامه وشرابه ۔ (بخاری، رقم ۱۹۰۳)

''اگر کوئی شخص جھوٹ بولنا اور گناہ کے کام کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

نیز فرمایا:

رب صائم لیس له من صیامه الا الجوع ورب قائم لیس له من قیامه الا السهر۔ (ابن ماجہ، رقم ۱۶۹۰)

''بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنھیں سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے رات کو قیام کرنے والے ایسے ہیں جنھیں سوائے جاگنے کے کچھ نہیں ملتا۔''

اسی طرح انفاق کی بنیاد ہمدردی اور تعاون باہمی کے جذبہ پر ہے۔ اگر یہ جذبہ مفقود ہو تو قرآن کی رو سے انفاق کا عمل ہی بالکل باطل ہو جاتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی۔ (البقرہ ۲: ۲۶۴)

''ایمان والو، اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر برباد نہ کر ڈالو۔''

قرآن خدا کا کلام ہے اور اس کی تلاوت کا محرک اگر طلب ہدایت کا جذبہ ہو تو یہ ایک نسخۂ اکسیر ہے۔ لیکن اگر یہ داعیہ ہی موجود نہ ہو تو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل المنافق الذی یقرا القرآن کالریحانة ریحها طیب وطعمها مر۔ (بخاری، رقم ۵۰۵۹)

''ایسے منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، اس خوشبو دار پودے کی ہے جس کی بو تو اچھی ہے، لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نماز کی ظاہری ہیئت

اس کے بعد دیکھیے کہ اسلام میں نماز کی جو ظاہری ہیئت مقرر کی گئی ہے اور اس کے لیے جن آداب و قیود کی پابندی لازم کی گئی ہے، ان سب کا مقصود انسان کی داخلی کیفیات کو ایک بہترین ذریعۂ اظہار فراہم کرنا ہے۔

طہارت، ستر اور استقبال قبلہ نماز کے لیے شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ شرائط وہ خاص کیفیاتی ماحول پیدا کرنے میں مدد دیتی ہیں جس میں عبادت انسان سے مطلوب ہے۔ طہارت اور ستر کا اہتمام نمازی کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہے تو پاک صاف ہو کر اور باادب طریقے سے حاضر ہو۔ قبلے کی طرف رخ کر کے گویا وہ اپنے رب کے روبرو کھڑا ہو جاتا اور اس سے راز و نیاز کرتا ہے۔ مسجد اگرچہ نماز کے لیے شرط کی حیثیت نہیں رکھتی، لیکن عام طور پر مسلمان مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ مسجد کا تصور خدا کے گھر کا ہے اور یہاں آ کر ایک طرف پاکیزگی اور تقدس اور دوسری طرف ادب و عاجزی کے جو احساسات انسان کو گھیر لیتے ہیں، ان کی اہمیت ان کیفیات کے پیدا کرنے میں محتاج بیان نہیں جو کہ عبادت کی اصل روح ہیں۔

نماز کا ظاہری ڈھانچا اپنی ہر ادا کے لحاظ سے عجز و بندگی کی بہترین تصویر پیش کرتا ہے۔ یہ ڈھانچا چار بنیادی افعال پر مشتمل ہے: قیام، رکوع، سجود اور قعدہ۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک عمل بجائے خود تذلل اور عاجزی کے اظہار کی نہایت اعلیٰ شکل ہے، لیکن نماز میں قیام سے بتدریج سجدے کی حالت میں جانے کی ترتیب نے اظہار عاجزی کے پہلو سے ان میں وہ حسن وکمال پیدا کر دیا ہے کہ اس سے بہتر کوئی چیز متصور نہیں ہو سکتی۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''نماز کے لیے جب بندہ کھڑا ہوتا ہے تو عجز و نیاز مندی کی تصویر بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ ہاتھ باندھے ہوئے، نگاہ نیچی کیے ہوئے، گردن جھکائے ہوئے، پاؤں برابر کیے ہوئے، یمین وشمال اور آگے پیچھے سے بالکل بے تعلق، سنجیدگی اور خاموشی کی تصویر، ادب اور وقار کا مجسمہ۔ کبھی اپنے خالق و مالک کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ کبھی اپنی ناک اور پیشانی زمین پر رکھ دیتا ہے، کبھی ہاتھ پھیلا کر اس سے دعا اور التجا کرتا ہے۔ (کبھی دو زانو ہو کر باادب اس کے سامنے بیٹھ جاتا ہے)۔ غرض عاجزی اور تذلل کی جتنی شکلیں بندہ اختیار کر سکتا ہے، ادب اور وقار کے ساتھ ان ساری ہی شکلوں کو اختیار کرتا ہے۔ اس طرح ایک نماز پڑھنے والے کی جو تصویر سامنے آتی ہے، وہ صاف گواہی دیتی ہے کہ بندہ اپنے مالک و مولیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ دیکھ نہیں رہا ہے تو یہ یقین تو وہ ضرور رکھتا ہے کہ اس کا مالک و مولیٰ اس کو دیکھ رہا ہے۔'' (تزکیۂ نفس ۱/۲۳۵)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

نماز کے آداب

نماز کا سب سے بنیادی ادب، جس سے اس کے تمام ذیلی آداب متفرع ہوتے ہیں، یہ ہے کہ نمازی ہر لحہ اس حقیقت کو ملحوظ رکھے کہ وہ اپنے مالک وآقا کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ یہ کیفیت ذہنی و قلبی طور پر اس طرح نمازی پر غالب ہونی چاہیے کہ ہر ہر ادا اور ہر ہر کلمہ کی ادائیگی کرتے ہوئے وہ یہ محسوس کرے کہ اس کا رب اس کے سامنے اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہے اور نہ صرف اس کی التجاؤں کو سن رہا ہے، بلکہ ان کا جواب بھی دے رہا ہے:

حضرت عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الاحسان ان تعبد اللّٰه کانك تراه فانه ان لم تکن تراه فانه یراك ۔ (بخاری، رقم ۵۰)	''عبادت کا اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمھیں دیکھ ہی رہا ہے۔''

o حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان احدکم اذا قام فی الصلوة فانه یناجی ربه فلیعلم احدکم ما یناجی ربه ۔ (مسند احمد ۲/۳۶)	''جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے راز و نیاز کر رہا ہوتا ہے۔ سو اسے پتا ہونا چاہیے کہ وہ اپنے رب سے کیا راز و نیاز کر رہا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یقول اللّٰہ تعالی: قسمت الصلاۃ بینی و بین عبدی نصفین ولعبدی ما سال۔ فاذا قال العبد: الحمد للّٰہ رب العالمین، قال اللّٰہ تعالی: حمدنی عبدی۔ واذا قال: الرحمن الرحیم، قال اللّٰہ تعالی: اثنی علی عبدی۔ فاذا قال: ملك یوم الدین، قال: مجدنی عبدی۔ فاذا قال: ایاك نعبد وایاك نستعین، قال: ھذا بینی و بین عبدی ولعبدی ما سال۔ فاذا قال: اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین، قال: ھذا لعبدی ولعبدی ما سال۔ (مسلم، رقم ۸۷۸)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس کا نصف حصہ میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ بخشا گیا جو اس نے مانگا۔ جب بندہ الحمد للّٰہ رب العالمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میرا شکریہ ادا کیا اور جب وہ الرحمٰن الرحیم کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف بیان کی ہے اور جب وہ مالک یوم الدین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی ہے اور جب بندہ ایاک نعبد وایاک نستعین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ حصہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میں نے اپنے بندے کو وہ بخشا جو اس نے مانگا۔ پھر جب بندہ 'اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میں نے اپنے بندے کو وہ بخشا جو اس نے مانگا۔''

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد، فاکثروا الدعاء۔ (مسلم، رقم ۱۰۸۳)

''آدمی جس حالت میں سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے، وہ سجدے کی حالت ہے۔ اس لیے سجدے میں کثرت سے دعا کیا کرو۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اذا سجد العبد سجد معه سبعة اطراف: وجهه و كفاه و ركبتاه و قدماه ۔ (مسلم، رقم ۱۱۰۰)

''جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے جسم کے سات اعضا بھی اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں: اس کا چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔''

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اليدين تسجدان كما يسجد الوجه واذا وضع احدكم وجهه فليضع يديه واذا رفعه فليرفعهما ۔ (ابوداؤد، رقم ۸۹۲)

''ہاتھ بھی اسی طرح سجدہ کرتے ہیں جیسے چہرہ کرتا ہے۔ اس لیے جب تم چہرے کو زمین پر رکھو تو دونوں ہاتھ بھی رکھا کرو اور جب چہرے کو زمین سے اٹھاؤ تو ہاتھ بھی اٹھا لیا کرو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس بنیادی ادب سے حسب ذیل آداب متفرع ہوتے ہیں:

۱۔ نماز کو سکون و اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔

حضرت ابومسعود البدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تجزئ صلاة الرجل حتى يقيم ظهره فى الركوع والسجود ۔ (ابوداؤد، رقم ۸۵۵)

''اگر آدمی رکوع اور سجدے میں اپنی کمر کو سیدھا نہیں کرتا (یعنی اطمینان سے رکوع و سجود نہیں کرتا) تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

رفاعہ بن رافع کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

وان انتقصت منه شيئا انتقصت من صلاتك ۔ (ابوداؤد، رقم ۸۶۱)

''اگر تم اس اطمینان میں کمی کرو گے تو تمھاری نماز میں کمی واقع ہو جائے گی۔''

عبدالرحمٰن بن شبل سے روایت ہے کہ:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نقرة الغراب ۔ (ابوداؤد، رقم ۸۶۲)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کی طرح ٹھونگے لگانے (یعنی جلدی جلدی سجدہ کرنے) سے منع فرمایا۔''

۲۔ ایسی حالت میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے جبکہ انسان ذہنی یا قلبی لحاظ سے اپنی توجہ نماز میں مرکوز نہ رکھ سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا صلاة بحضرة الطعام ولا وهو

''ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو جبکہ کھانا لگ چکا ہو اور

یدافعه الاخبثان ۔ (مسلم، رقم ۱۲۴۶)

ایسی حالت میں بھی نہیں جبکہ پیشاب یا پاخانہ تنگ کر رہے ہوں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا نعس احدکم فی الصلاۃ فلیرقد حتی یذهب عنه النوم' فان احدکم اذا صلی وهو ناعس لعله یذهب یستغفر فیسب نفسه ۔ (مسلم، رقم ۱۸۳۵)

''اگر تم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آئے تو وہ جا کر سو جائے، یہاں تک اس کی نیند پوری ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ نیند کی حالت میں نماز پڑھے گا تو کیا پتا وہ گناہوں کی معافی مانگنا چاہے، لیکن اپنے حق میں کوئی بری بات کہہ بیٹھے۔''

۳۔ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کوئی چیز خارجی طور پر نمازی کی توجہ میں خلل ڈالنے کا باعث نہ بنے:

حضرت ابوسعید الخدری نے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من استطاع منکم ان لا یحول بینه و بین قبلته احد فلیفعل ۔ (ابوداؤد، رقم ۶۹۹)

''اگر تم یہ اہتمام کر سکو کہ تمھارے اور قبلے کے درمیان کوئی شخص رکاوٹ نہ بنے تو ضرور کرو۔''

اسی وجہ سے نمازی کے آگے سے گزرنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ابوجہیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه لکان ان یقف اربعین خیرا له من ان یمر بین یدیه ۔ (مسلم، رقم ۱۱۳۲)

''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس کو کتنا گناہ ہوتا ہے تو وہ چالیس سال تک وہاں کھڑا رہنے کو نمازی کے آگے سے گزرنے سے بہتر سمجھے۔''

اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی ممانعت بھی اسی علت پر مبنی ہے۔ عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تصلوا فی عطن الابل فانها خلقت من الجن الا ترون عیونها وهبابها اذا نفرت ؟ (الفتح الربانی، ۳/۱۰۱)

''اونٹوں کے باڑوں میں نماز نہ پڑھو، کیونکہ ان میں جنات جیسی خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ تم ان کی آنکھوں کو اور ان کے ہیجان کو نہیں دیکھتے جب یہ بگڑے ہوئے ہوتے ہیں؟''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یعنی چونکہ اس حالت میں آدمی اونٹ کی طرف سے نقصان کے خدشے کے پیش نظر نماز میں توجہ مرکوز نہیں رکھ سکتا، اس لیے اونٹوں کے قریب نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تصویروں والی چادر میں نماز پڑھی تو نماز کے دوران میں آپ کی نظر تصویروں پر پڑ گئی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا:

''یہ چادر ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور اس سے ایک سادہ چادر لے آؤ۔ اس چادر نے ابھی مجھے میری نماز سے غافل کر دیا تھا۔'' (بخاری، رقم ۳۷۳)

حضرت انس رضی اللہ عنھا کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے اپنے حجرے کے ایک کونے میں ایک تصاویر والا پردہ لٹکایا ہوا تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

امیطی عنی ھذا القرام فانھا لا تزال تصاویرہ تعرض علی فی صلاتی ۔ (بخاری، رقم ۳۷۴)

''یہ پردہ ہٹا دو، اس کی تصویریں نماز میں مسلسل میری توجہ میں خلل انداز ہوتی ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یجھر بعضکم علی بعض بالقراءۃ فی الصلاۃ ۔ (مسند احمد، ۲/۳۶)

''نماز پڑھتے ہوئے اونچی آواز سے قرآن پڑھ کر دوسرے نمازی کی نماز میں خلل مت ڈالو۔''

۴۔ نماز میں اس قسم کا ہر کلام ممنوع ہے جو عبادت کے زمرے میں نہ آتا ہو:

معاویہ بن الحکم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان ھذہ الصلاۃ لا یصلح فیھا شئ من کلام الناس' انما ھو التسبیح و التکبیر و قراءۃ القرآن ۔ (مسلم، رقم ۱۱۹۹)

''نماز میں عام لوگوں کا کلام جائز نہیں ہے۔ اس میں تو بس اللہ کی پاکی اور بڑائی بیان کی جاتی ہے اور قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے۔''

۵۔ ہر ایسا کام ممنوع ہے جو ادب، وقار اور خشوع و خضوع کے منافی ہو:

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لینتھین اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی الصلاۃ او لا ترجع الیھم ۔ (مسلم، رقم ۹۶۶)

''جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف اپنی نظریں اٹھاتے ہیں، وہ ایسا کرنے سے باز آ جائیں، ورنہ ان کی نظریں ہی چھین لی جائیں گی۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان احدکم اذا قام فی صلاتہ فانہ ینا جی ربہ فلا یبزقن احدکم قبل قبلتہ ولکن عن یسارہ او تحت قدمیہ ۔ (بخاری، رقم ۳۹۰)

''جب تم نماز میں کھڑے ہوتے ہو تو اپنے رب سے راز و نیاز کر رہے ہوتے ہو، اس لیے قبلے کی طرف مت تھوکا کرو، بلکہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک لیا کرو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

انما ھو اختلاس یختلسہ الشیطان من صلاۃ العبد ۔ (ابوداؤد، رقم ۹۱۰)

''یہ تو شیطان کا ایک جھپٹا ہے جس سے وہ بندے کی نماز کا ایک حصہ چھین کر لے جاتا ہے۔''

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو جب ہم سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں سے بھی اشارہ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا، یہ کیا کرتے ہو کہ اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارے کرتے ہو جیسے وہ شریر گھوڑوں کی دمیں ہوں۔ جب سلام پھیرو تو بس اپنے بھائی کی طرف مڑ جایا کرو اور ہاتھ سے اشارہ نہ کیا کرو۔[1]

۶۔ ہر ایسا کام ممنوع ہے جو عبث ہو اور جس سے ظاہر ہو کہ نمازی کی توجہ نماز کے اندر نہیں، بلکہ کہیں اور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

امر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لا یکف شعرا ولا ثوبا ۔ (بخاری، رقم ۷۶۷)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حالت میں کپڑوں اور بالوں کے ساتھ کھیلنے سے منع فرمایا۔''

حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا توضا احدکم فاحسن وضوءہ ثم خرج عامدا الی المسجد فلا یشبکن یدیہ فانہ فی صلاۃ ۔ (ابوداؤد، رقم ۴۷۵)

''جب تم میں سے کوئی آدمی اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف نکلے تو ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں مت پھنسائے کیونکہ (نیت کے اعتبار سے) وہ نماز ہی کی حالت میں ہے۔''

حضرت معاذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] مسلم، رقم ۹۷۱

الضاحك فی الصلاۃ والملتفت والمفقع اصابعه بمنزلة واحدة ـ

(مسند احمد، رقم ۱۵۰۶۸)

''نماز میں ہنسنے والا، ادھر ادھر دیکھنے والا اور انگلیاں چٹخانے والا، سب ایک جیسے ہیں۔''

حضرت ابوسعید الخدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا تثاء ب احدکم فی الصلاۃ فلیکظم ما استطاع فان الشیطان یدخل ـ

(ابوداؤد، رقم ۴۳۷۲)

''اگر کسی کو نماز میں جمائی آئے تو وہ حتی الوسع اس کو دبائے کیونکہ شیطان منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔''

حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا قام احدکم فی الصلاۃ فلا یمسح الحصی فان الرحمۃ تواجهه ـ

(نسائی، رقم ۱۱۹۲)

''اگر کوئی نماز میں کھڑا ہو تو زمین پر سے کنکر نہ ہٹائے کیونکہ سامنے رحمت نازل ہو رہی ہوتی ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۷۔ جسم اور لباس کی ہر ایسی ہیئت جو ادب اور خشوع و خضوع کے منافی ہو، نماز کی حالت میں ممنوع ہے:

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کی ایک چادر، جو ہدیہ میں پیش کی گئی تھی، اوڑھ کر نماز پڑھی، لیکن نماز سے فارغ ہوتے ہی آپ نے اسے زور سے کھینچ کر اتار دیا اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

لا ینبغی هذا للمتقین ـ

(بخاری، رقم ۵۳۵۵)

''یہ لباس خدا سے ڈرنے والوں کے شایان شان نہیں ہے۔''

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ جل ذکرہ لا یقبل صلاۃ رجل مسبل ازارہ ـ (ابوداؤد، رقم ۶۳۸)

''جو شخص اپنا تہبند لٹکا کر (تکبر کرتے ہوئے) نماز پڑھے، اللہ کی اس کی نماز قبول نہیں فرماتے۔''

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے:

نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن السدل فی الصلاۃ وان یغطی الرجل فاہ ـ (ابوداؤد، رقم ۶۴۳)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کپڑا لٹکانے اور منہ کو ڈھانکنے سے منع فرمایا۔''

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے بارے میں جو بالوں کا جوڑا بنا کر نماز

پڑھے، فرمایا:

انما مثل ھذا مثل الذی یصلی و ھو مکتوف ۔ (ابوداؤد، رقم ۶۴۶)	''یہ تو ایسے ہی ہے جیسے آدمی اس حالت میں نماز پڑھے کہ اس کی مشکیں کسی ہوئی ہوں۔''

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یفترش احدکم ذراعیہ افتراش الکلب ۔ (مسلم، رقم ۱۱۰۲)	''تم میں سے کوئی شخص (سجدے کی حالت میں) کتے کی طرح اپنے بازو زمین پر نہ بچھائے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حالت میں اپنے پہلو پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا[۲]۔

روحانی کیفیات

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسلام میں عبادت محض چند جسمانی رسوم بجالانے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک زندہ عمل ہے، جس کے دوران میں انسان پر عبودیت اور عاجزی کی مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں اور دین کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان ان کیفیات کے جواب میں بے حسی کا مظاہرہ نہ کرے، بلکہ اپنا ردعمل (Response) بھی ظاہر کرے، اس کے کچھ طریقے مستقل طور پر نماز کا حصہ بنا دیے گئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ جنھیں انفرادی اذواق پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ دیکھیے:

۱۔ امام جب مقتدیوں کی نمائندگی کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ کی شکل میں ایک نہایت پر تاثیر دعا کی تلاوت کرتا ہے تو مقتدیوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس دعا کے اختتام پر آمین کہہ کر اس میں اپنی شرکت کا اظہار کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقولوا آمین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ ۔ (بخاری، رقم ۷۸۲)	''جب امام 'غیر المغضوب علیھم و لا الضالین' کہے تو تم آمین کہا کرو۔ کیونکہ (اس موقع پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور) جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل گئی، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔''

۲۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے جب امام 'سمع اللہ لمن حمدہ' (اللہ تعالیٰ ان کی فریاد سنتا ہے جو اس کی حمد کرتے ہیں)

---

[۲] مسلم، رقم ۱۲۱۸۔

کہتا ہے تو حکم ہے کہ مقتدی فوراً اس کا جواب دیتے ہوئے کہیں: 'ربنا و لك الحمد' (اے ہمارے پروردگار، تعریف کا استحقاق تو آپ ہی رکھتے ہیں)۔

۳۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ نماز میں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے اگر کوئی ایسی آیت آ جاتی جس میں سجدہ کی ترغیب ہوتی تو آپ اس کی تعمیل میں فوراً سجدہ ریز ہو جایا کرتے تھے[۳]۔

۴۔حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت پڑھتے: 'سبح اسم ربك الاعلی' (اپنے بلند و برتر رب کی پاکی بیان کرو) تو اس کی تعمیل کرتے ہوئے کہتے: 'سبحان ربی الاعلی' (پاک ہے میرا رب جو بلند و برتر ہے[۴])۔

۵۔موسیٰ بن ابی عائشہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صحابی نماز پڑھتے ہوئے جب یہ آیت پڑھتے: 'الیس ذلك بقادر علی ان یحیی الموتی' (کیا اللہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر سکے)؟ تو جواب میں کہتے: 'سبحانك فبلی' (یا اللہ، تو پاک ہے۔کیوں نہیں)؟ لوگوں نے پوچھا تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے[۵]۔

۶۔حضرت حذیفہ اور حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔آپ دوران تلاوت میں ہر ایسی آیت پر کھڑے ہو کر دعا کرتے جس میں اللہ کی رحمت کا ذکر ہوتا اور ہر ایسی آیت پر ٹھہر کر اللہ کی پناہ مانگتے جس میں اللہ کے عذاب کا ذکر ہوتا[۶]۔

روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ذوق کی تربیت کے لیے صحابہ کی پوری پوری حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔رفاعہ بن رافع کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔جب آپ نے رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے 'سمع اللہ لمن حمدہ' کہا تو ایک آدمی نے بلند آواز سے کہا، 'ربنا و لك الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه'۔(یا اللہ تعریف کا استحقاق تو آپ ہی رکھتے ہیں۔ایسی تعریف جو بہت زیادہ ہو، پاکیزہ ہو اور جس میں برکت ہی برکت ہو) جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟ اس آدمی نے کہا، میں نے۔آپ نے فرمایا:

۳؎ نسائی، رقم ۹۶۹۔

۴؎ ابوداؤد، رقم ۸۸۳۔

۵؎ ابوداؤد، رقم ۸۸۴۔

۶؎ ابوداؤد، رقم ۸۷۱۔۸۷۳۔

رايت بضعة و ثلاثين ملكا يبتدرونها	”میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو لپکتے ہوئے
ايهم يكتبها اول ۔ (بخاری، رقم ۷۹۹)	دیکھا۔ ہر ایک ان کلمات کو پہلے لکھ لینا چاہتا تھا۔“

انفرادی اذواق کا لحاظ

عبادت کو ایک زندہ عمل بنانے کے لیے نفسیاتی لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ اس میں آدمی کو اپنے انفرادی ذوق اور داخلی کیفیات کے تحت بعض چیزوں کے اخذ وانتخاب کا اختیار رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں اس فطری پہلو کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ دیکھیے کہ اگرچہ نماز کا بنیادی ڈھانچا متعین کر دیا گیا ہے، لیکن اس کے بعض اعمال کے بارے میں یہ گنجایش رکھی گئی ہے کہ لوگ ان میں اپنے ذوق کے مطابق کوئی بھی طریقہ اختیار کر لیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رفع یدین: رفع یدین کا عمل دراصل انسانی عزم وارادہ کے اظہار کی ایک شکل ہے۔ سنت ثابتہ کی رو سے اگرچہ یہ صرف نماز کے آغاز میں لازم ہے، لیکن روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت، سجدے سے اٹھتے اور دوبارہ سجدے میں جاتے وقت اور اسی طرح دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت کے لیے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کیا۔ ان مواقع پر رفع یدین کرنا اصلاً دین کا مطالبہ نہیں، بلکہ اس کا مدار انسان کے ذاتی ذوق پر ہے۔

وضع الیدین: سنت ثابتہ کی رو سے قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنا نماز کے آداب میں شامل ہے۔ لیکن ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ صحابہ اور تابعین سے سینے پر، ناف پر اور ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کے مختلف طریقے منقول ہیں، تاہم اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تصریح مستند طریقے پر ثابت نہیں ہے، جس سے واضح ہے کہ اس معاملے میں کوئی ایک متعین طریقہ دین میں مطلوب نہیں، بلکہ انسان اپنے ذوق کے مطابق جہاں چاہے، ہاتھ باندھ سکتا ہے۔

قرأت فاتحہ: قرآن مجید کی رو سے یہ بات قرآن کے آداب میں سے ہے کہ جب اس کی تلاوت کی جائے تو اسے خاموش ہو کر اور توجہ سے سنا جائے۔ اس کا اطلاق، ظاہر ہے کہ نماز پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر نماز میں اپنے پیچھے قرأت کرنے والوں کو تنبیہ بھی فرمائی۔ تاہم دین میں انسان کے ذاتی ذوق اور اس کی داخلی کیفیات کا اس حد تک لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص خود اپنی زبان سے قرأت کیے بغیر اطمینان محسوس نہ کرتا ہو تو اسے قرأت کی اجازت دی گئی ہے، اگرچہ بظاہر اس میں مذکورہ ادب کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا: کیا جب امام پڑھ رہا ہوتا ہے تو تم بھی قرأت کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: ہاں یا رسول

اللہ۔ آپ نے فرمایا:

فلا تفعلوا الا ان یقرا احدکم بفاتحة الکتاب ۔ (مسند احمد، ۴/۲۳۶)

''نہ پڑھا کرو۔ ہاں اگر کوئی فاتحہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔''

آمین بالجہر: سورۂ فاتحہ جیسی اعلیٰ ترین دعا کے جواب میں مقتدیوں کے لیے آمین کہنا سنت ثابتہ کی رو سے مشروع ہے۔ لیکن یہ آمین آہستہ آواز میں کہی جائے یا اونچی آواز میں؟ روایات اور صحابہ کے آثار سے دونوں طریقوں کا ثبوت ملتا ہے۔ نفسیاتی لحاظ سے انسان کبھی آہستہ آمین کہنے میں زیادہ کیف محسوس کرتا ہے اور کبھی بلند آواز میں۔ چنانچہ اس کا تعلق بھی انسان کی داخلی کیفیات سے ہے۔

نماز کے اذکار: نماز میں پڑھے جانے والے اذکار میں سے صرف تین ایسے ہیں جو دین میں لازم کیے گئے ہیں، یعنی تکبیرات انتقال، سورۂ فاتحہ اور سلام۔ اس کے علاوہ باقی مواقع کے لیے کلمات اور دعاؤں کو متعین کرنے کے بجائے ان کا انتخاب شخصی اذواق پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ مواقع حسب ذیل ہیں:

آغاز نماز کے اذکار: اس موقع پر تقریباً نو اذکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جن کی تفصیل کتب حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔

فاتحہ کے بعد قرأت: سورۂ فاتحہ کے بعد نمازی قرآن کا کوئی بھی حصہ اپنے ذوق کے مطابق تلاوت کر سکتا ہے۔

رکوع وسجود کی تسبیحات: رکوع وسجود کے موقع پر بھی متعدد تسبیحات اور دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور نمازی ان میں سے کوئی بھی منتخب کر سکتا ہے۔

تشہد کے کلمات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کو تشہد کے مختلف کلمات کی تعلیم دی۔ آدمی ان میں سے جو کلمات بھی چاہے، پڑھ سکتا ہے۔

تشہد کے بعد کی دعائیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تشہد کے بعد آدمی اپنی پسند کی جو بھی دعا چاہے، پڑھ سکتا ہے۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد صدیق شاہ بخاری

اسبال ازار

— ۲ —

قرآن مجید میں حکم کی بنیادیں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لباس کے بارے میں عمومی طور پر اور انسان کے متکبرانہ ہیئت اختیار کرنے کے بارے میں خصوصی طور پر ہمیں قرآن مجید میں مندرجہ ذیل نظائر ملتے ہیں:

۱۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَ رِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ۔ (الاعراف ۷:۲۶)

''اے فرزندانِ آدم ہم نے تم کو پہننے کے لیے کپڑے عطا کیے جس سے تمھاری ستر پوشی ہو اور تجمل و آرایش کا سامان اور تقویٰ والا لباس تو سراسر خیر اور بھلائی ہے۔''

اس آیت میں لباس کے نزول کے دو مقصد بیان ہوئے ہیں:

۱۔ ستر پوشی۔

۲۔ تجمل و آرایش۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی زمانے میں اسبالِ ازار تجمل و آرایش کا باعث ہو نہ کہ متکبرانہ ہیئت کا تو کیا پھر بھی اسے اختیار نہ کیا جائے گا؟ کیونکہ اس صورت میں اسبالِ ازار نہ کرنے سے قرآن کریم کی اس آیت میں بیان کردہ لباس کا دوسرا مقصد مجروح ہوتا ہے۔ اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ تقویٰ بہر حال افضل ہے۔ دل میں تقویٰ موجود ہو تو تجمل و آرایش بہر حال موجبِ نقصان نہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:

۲۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّہٗ

''اے اولاد آدم تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ (۷:۳۱۔۳۲)

نکلو، بے شک، اللہ پسند نہیں کرتے حد سے نکلنے والوں کو۔ آپ فرمائیے کہ اللہ کے پیدا کیے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟''

اس آیت سے یہ امور واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ اللہ کی حلال کردہ اشیا کو کوئی حرام نہیں کرسکتا۔ حلال وحرام کا اختیار اسی کو حاصل ہے۔

۲۔ اسراف کی اجازت نہیں ہے۔

لباس کی کسی ہیئت کو ناجائز وحرام قرار دینے کا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔ اگر کسی زمانے میں کوئی لباس ستر پوشی کے تقاضے پورے کرتا ہے اور اسراف سے بچ کر زیب وزینت کے معیار پر بھی پورا اترتا ہے، تو پھر اسے حرام قرار دینا اللہ کی شریعت میں اضافہ ہے۔

متکبرانہ چال اور متکبرانہ ہیئت کے حوالے سے جو شناعت احادیث میں ملتی ہے، وہی قرآن میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۔ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ۔ (لقمٰن ۳۱:۱۸۔۱۹)

''اور لوگوں سے اپنا رخ مت پھیر و اور زمین پر اترا کر مت چل ۔ بے شک ، اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔ اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر۔''

۲۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۔ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ (الاسراء ۱۷:۳۷)

''اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل۔ کیونکہ تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ (بدن تان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔''

۳۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ۔ (الانفال ۸:۴۷)

''اور ان لوگوں کے مشابہ مت ہونا کہ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان) دکھلاتے ہوئے نکلے۔''

ان آیات میں تکبر اور متکبرانہ چال اور ہیئت کی واضح طور پر شناعت بیان ہوئی ہے اور اللہ کریم نے اپنی ناپسندیدگی کا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اظہار فرمایا ہے۔ تکبر وغرور اور متکبرانہ چال و ہیئت کے بارے میں یہی رویہ احادیث میں موجود ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ ان احادیث میں انھی آیات کی شرح ووضاحت ہے۔ مزید برآں عرب معاشرے میں ان کے عملی اطلاق کا بیان ہے۔

تکبر کے برعکس عاجزانہ اور عبودیت کے اظہار والی چال کو مثبت انداز سے یوں بیان فرمایا گیا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ۔ (الفرقان ۲۵:۶۳)

''اور اللہ کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔''

احادیث میں تکبر کی وجہ سے اسبالِ ازار کرنے والوں کے بارے میں یہ وعید بار بار دہرائی گئی ہے کہ اللہ ان کی طرف نظر بھی نہیں کرے گا، نہ ان سے کلام کرے گا، نہ انھیں پاک ہی کرے گا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ سزا قرآن میں کن لوگوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ (آلِ عمران ۳:۷۷)

''یقیناً جو لوگ معاوضۂ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ سے (انھوں نے) کیا ہے اور (بمقابلہ) اپنی قسم کے۔ ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہ ملے گا اور نہ خدا ان سے (لطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (نظر محبت) سے دیکھیں گے قیامت کے روز اور نہ ان کو پاک کریں گے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اس آیت کریمہ پر غور فرمائیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عین یہی سزا احادیث میں متکبرانہ اسبالِ ازار والوں کے لیے بیان ہوئی ہے۔ آیت کے سیاق وسباق اور خود آیت کے مشمولات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہود مراد ہیں اور یہود کے یہ جرائم ان کے تکبر کی وجہ ہی سے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم سب سے افضل اور اللہ کی منتخب کردہ پیاری قوم ہیں۔ اس تکبر نے انھیں آیات اللہ اور اپنے ایمان کو ثمنِ قلیل کے عوض بیچنے پر مائل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود کے ظاہری تکبر کی علامات میں سے ایک اہم علامت اسبالِ ازار بھی تھی۔ جیسا کہ علما نے لکھا ہے کہ نماز میں اسبالِ ازار کی ممانعت یہود سے مشابہت کی بنا پر ہے۔ اس سارے پس منظر میں دیکھیں تو اس آیت میں بھی اور احادیث میں بھی مشترک علت تکبر ہی ہے۔ اور پھر آیت کا یہود سے تعلق اس علت کو اور موکد کر دیتا ہے۔ چنانچہ واضح ہوا کہ احادیث میں بیان کردہ سزا اسی آیت کی شرح ووضاحت ہے اور معاشرے میں ایک عملی معاملے پر اس کا اطلاق ہے۔

قرآن وحدیث کے مجموعی نظائر پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل حقائق مستنبط ہوتے ہیں:

۱۔ تکبر، متکبرانہ چال، متکبرانہ لباس اور متکبرانہ ہیئت جہاں اور جس شکل میں بھی ہو ممنوع ہے اور اس کی یہی سزا ہے کہ قیامت میں اللہ ان سے بات بھی نہ کرے گا۔

۲۔ اسبالِ ازار تکبر کی علت کی وجہ سے منع فرمایا گیا ہے۔

۳۔ جہاں یہ علت موجود نہ ہو، وہاں تہبند وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ، اگر اس میں اسراف موجود ہو تو وہ اللہ کے ہاں ناپسند ہے۔

۴۔ ازار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اگر کسی معاشرے میں زیب وزینت کا ذریعہ ہو نہ کہ تکبر کا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۵۔ ازار، تہبند وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا عرب متکبرین کا امتیازی نشان تھا، خاص طور پر یہود کا۔ اس لیے اس سے سختی سے منع فرمایا گیا۔

۶۔ اسبال صرف ازار کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اگر کسی اور کپڑے مثلاً چادر، عمامہ، قمیض، رومال وغیرہ کے اسبال میں تکبر کی علت موجود ہو تو وہ بھی اس وعید میں داخل ہوں گے۔

۷۔ اگر کسی معاشرے یا زمانے میں لباس میں تکبر کا ذریعہ اسبال کے علاوہ کوئی اور رواج پا جائے اور متکبرین ایک خاص قسم کا لباس اختیار کر لیں تو اس زمانے میں وہ لباس بھی اسبال ازار کی وعید کے زمرے میں آ جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مستنبط نتائج پر اعتراضات

قرآن وحدیث سے ہم نے جو نتائج مستخرج کیے ہیں، ان پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں:

یہ اعتراضات اور ان پر ہمارا تبصرہ درج ذیل ہے:

ایک اعتراض یہ ہے کہ صحابۂ کرام تو تکبر کی وجہ سے کپڑا نیچے نہ لٹکاتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اصل علت کپڑا لٹکانا ہی ہے نہ کہ تکبر۔

اس اعتراض کے پس منظر میں دو دلائل ہیں:

ا۔ تمام صحابہ تکبر کے مرض سے پاک تھے۔

ب۔ جب تکبر سے پاک تھے تو انھیں پھر بھی حضور حکم دے رہے ہیں تو اس کی وجہ پھر صرف کپڑا لٹکانا ہی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ صحابہ تکبر جیسے مرض سے پاک تھے اور وہ تکبر کی وجہ سے ایسا نہ کرتے تھے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدت سے انھیں روک رہے ہیں کہ کہیں متکبر لوگوں سے ان کی مشابہت نہ ہو جائے۔ ہمارے اس گمان کی تائید حافظ ابن حجر کے اس قول سے بھی ہو جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر حضرت عمرو بن زرارہ انصاری کی حدیث کے ضمن میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں[1]:

و ظاهره ان عمرو المذکور لم یقصد باسباله الخیلاء و قد منعه من ذلك لکو نه مظنة۔ (فتح الباری)

''اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرو نے تکبر کے ارادے سے شلوار نہیں لٹکائی تھی ، پھر بھی آپ نے ان کو اس سے روک دیا۔ اس لیے کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے سے تکبر کے وجود کا گمان پایا جاتا ہے۔''

یہ نبی کی اپنے صحابہ سے محبت کی دلیل ہے کہ انھیں تکبر کی تہمت اور گمان سے بھی بچانا چاہتے تھے۔ چونکہ اس معاشرے کے متکبرین خاص طور پر یہود متکبرین کی یہ خاص علامت اور عادت تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین و یہود سے اپنے صحابہ کی مشابہت گوارا نہ تھی ، اس لیے اس کا اہتمام فرماتے تھے ، نہ کہ اس لیے کہ صحابہ کے اندر (معاذ اللہ) تکبر پایا جاتا تھا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے ، اس کو تکبر سے منسلک کرنا درست نہیں ہے۔

اس اعتراض کی بنیاد ان دلائل پر ہے:

ا۔ احادیث کے الفاظ عام ہیں اور سب پر لاگو ہوتے ہیں۔

ب۔ تکبر اس کی ایک وجہ ہوسکتی ہے ، نہ کہ اصل وجہ۔

اس اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ حکم یا نہی کے الفاظ کو مطلقاً امر یا نہی کے معنی میں سمجھ لیا گیا ہے۔ جبکہ امر یا نہی موقع و محل کی نسبت سے مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں ، مثلاً اظہارِ محبت و اپنائیت کے لیے ، اظہارِ نفرت کے لیے ، تنبیہ کے لیے ، دعا کے لیے ، اظہار تمنا کے لیے ، ترجی ، تہدید ، درخواست گزاری ، اور ترغیب کے لیے۔

یہاں حالات ، ماحول ، سیاق و سباق سے طے کرنا پڑے گا کہ اس موقع پر امر یا نہی کس مقصد کے لیے آئے ہیں۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ یہاں امر ترغیب کے لیے اور نہی مشرکین اور یہود کے متکبرانہ اعمال سے نفرت کے لیے ہے۔

احادیث کے الفاظ کو اگر عام تصور کر لیا جائے تو وہ احادیث جن سے اس عموم کا خصوص ثابت ہوتا ہے یا علت بیان ہوتی ہے ، وہ احادیث سوال بن کر رہ جاتی ہیں۔ اگر علت والی احادیث کو عمومی احادیث کا خصوص مان لیا جائے تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک عام حکم علت والی احادیث سے خاص ہو جاتا ہے اور علت ہی اصل ضابطہ ہے جس پر ان احادیث اور حکم کو پرکھا جائے گا۔

تیسرا اعتراض یہ عائد کیا جاتا ہے کہ اسبالِ ازار نہ کرنے کا مسئلہ تواتر سے ثابت ہے۔ تمام امت اس پر ہمیشہ سے عمل کرتی آئی ہے۔ اسبالِ ازار کی اجازت گویا تواتر کے خلاف عمل کرنا ہے۔

تواتر سے منتقل ہونے والا مسئلہ وہ ہوتا ہے جو ہر زمانے اور ہر نسل میں اتنا معروف و مشہور ہو کہ اس کے بارے میں کبھی

---

[1] اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو کے گھٹنے کے نیچے ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا تھا کہ یہ ہے تہبند کی جگہ۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بھی دو آرا نہ رہی ہوں۔ مثلاً نماز فرض ہے، یہ مسئلہ امت میں تواتر سے ثابت ہے۔ اس کے بارے میں کبھی بھی دو آرا نہیں رہیں یا یہ کہ قرآن وہی قرآن ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کو دے کر گئے تھے۔ اس بارے میں بھی کبھی دو آرا نہیں رہیں۔ مگر اسبالِ ازار کا معاملہ یوں نہیں ہے۔ تکبر کی علامت کے طور پر اسبالِ ازار کا ممنوع ہونا تو بلاشبہ تواتر سے چلا آ رہا ہے۔ مگر جہاں اسبالِ ازار تکبر کی علامت نہ ہو، وہاں امت میں دونوں آرا اور اختلاف موجود رہا ہے اور اس صورت حال میں تواتر والی دلیل کا سہارا لے کر اسے امت کے لیے لازم کرنا محض ایک تکلف ہے۔ مزید برآں یہ کہ جن مسائل کے بارے میں دین و شریعت اور شارع نے خود توسع اختیار کیا ہو، ان مسائل کو محدود و مقید کر دینا دین کی روح کے خلاف ہے۔

مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اس زمانے میں آپ کے علاقے اور آپ کی قوم میں رواج تھا۔ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے امت کو یہی تعلیم دی ہے کہ لباس کے بارے میں وسعت ہے اور یہ کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود و احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا پسندیدہ لباس استعمال کر سکتے ہیں۔ دراصل لباس ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع قطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہے۔ اس لیے شریعت نے کسی خاص قسم اور خاص وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے، ہاں ایسے اصولی احکام دیے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ بہ سہولت پابندی کی جا سکتی ہے۔'' (معارف الحدیث ۶/۲۰۴)

اسبالِ ازار لباس میں تکبر ہے، یہ ہر دور کا مسئلہ ہو سکتا ہے، مگر اب چونکہ اسبالِ ازار اس حیثیت سے موجودہ مسلم معاشرے کا مسئلہ نہیں ہے، اس لیے اس حکم کو عام کرنا اور اس میں تواتر ثابت کرنا شارع کے منشا کے خلاف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر اسبالِ ازار منع نہیں ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسبالِ ازار والے شخص کو دوبارہ وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا کیوں حکم دیا؟

چونکہ تکبر اور نماز دونوں مختلف عمل ہیں اور یہ اس معاشرے میں متکبرانہ ہیئت سمجھی جاتی تھی، اس لیے نبی نے ادب سکھانے کے لیے اس شخص کو یہ حکم دیا۔

علامہ طیبی لکھتے ہیں:

''باوضو انسان کو وضو کرنے کا حکم دینے میں شاید حکمت یہ ہو کہ وہ حکم میں غور و فکر کرے یعنی ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکا کر وہ جس (متکبرانہ فعل) کا مرتکب ہو رہا ہے، اس پر متنبہ ہو جائے۔'' (شرح طیبی بحوالہ ماہنامہ ''حرمین'' مارچ، اپریل ۲۰۰۰)

ابن العربی لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

’’نماز تو اضع وانکساری کی حالت ہے اور کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا یہ (اس معاشرے میں) تکبر کا فعل ہے، یہ دونوں متعارض ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم نے اسے وضولوٹانے کا حکم دے کر ادب سکھایا ہے۔‘‘

(عارضۃ الاخوذی، ’’حرمین‘‘، مارچ، اپریل ۲۰۰۰)

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکائے اور کہے کہ میرا اس میں تکبر کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

جس معاشرے میں کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر کی علامت کے طور پر ایک معروف بات ہوتو وہاں تو اس شخص کے لیے یہ کہنا واقعی جائز نہیں ہے، جب تک کہ وہ کسی اور ذریعہ سے اپنے ارادے کو اس کے برعکس ثابت نہ کرے، مگر جس معاشرے میں اسبالِ ازار کے ساتھ تکبر کا کوئی عنصر بھی وابستہ نہ ہو اور معاشرے کے عرف میں بھی ایسی بات نہ ہوتو وہاں اس شخص کی بات معاشرے کے عرف کے مطابق واقعتاً قبول کی جائے گی، الا یہ کہ مدعی اس کے برعکس ثابت کر دے۔ ویسے بھی وحی کے انقطاع کے بعد ہم ظاہر قول اور ظاہر عمل کے مطابق فتویٰ دینے کے مکلّف ہیں۔ نیت کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اور ویسے بھی یہ مسلمہ امر ہے کہ متکلم اپنے کلام کی اور عامل کو اپنے عمل کی وضاحت وتشریح کا اولین حق حاصل ہوتا ہے اور اس کی بات کو ترجیح دی جائے گی۔

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ نہی لفظی اعتبار سے بھی شامل ہے اور کپڑا لٹکانے کی علت یعنی تکبر کو بھی شامل ہے۔

الفاظ اور علت دونوں پر عمل بیک وقت اس صورت میں ہوگا جب کہ علت واضح طور پر سامنے نہ ہو اور الفاظ اور علت میں معاملہ بین بین ہو۔ مگر جب متکلم خود ہی علت کو واضح کر دے اور دیگر آثار وقرائن اور اس حکم سے استثنا بھی اس علت کو موکد کر دے تو پھر قاعدہ کلیہ یہی ہے کہ الفاظ کے عموم کو اس علت سے خاص کر کے علت کے مطابق ہی عمل کیا جائے گا۔ شریعت کا منشا چونکہ انسانوں کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے نہ کہ تنگی، اس لیے الفاظ وعلت کو بیک وقت لازم کر کے انسانوں کو اس مشکل میں ڈالنا شریعت کے منشا کے خلاف ہے۔ البتہ، وہاں بہتر یہی ہے کہ الفاظ وعلت پر بیک وقت عمل کی کوشش کی جائے جہاں معاملہ واضح نہ ہو یا علت میں واضح اختلافات موجود ہوں۔

چھٹا اعتراض یہ ہے کہ جان بوجھ کر کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا بھی تکبر اور عجب وافتخار کی علامت ہے۔

یہاں بات پھر وہی ہے کہ ایک مخصوص ماحول ومعاشرت کی اس علامت کو موجودہ ماحول اور معاشرت پر چسپاں کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حالانکہ موجودہ ماحول ومعاشرت میں یہ عجب وافتخار کی علامت نہیں ہے۔ اس معاشرت میں لباس کے ساتھ عجب وافتخار کے کچھ اور پہلو وابستہ ہیں۔ ان کی بنا پر اس معاشرے کے عرف سے واقف کوئی بھی آدمی کہہ سکتا ہے کہ لباس کے اندر یہ معاملہ اس شخص کے تکبر وافتخار کی علامت ہے نہ کہ اسبالِ ازار۔ کیونکہ فی زمانہ اسبالِ ازار کو کوئی بھی تکبر وافتخار کی علامت نہ سمجھتا ہے، نہ جانتا ہے۔ کسی ایک ماحول اور معاشرے کے عرف کو دوسرے معاشرے پر منطبق کر کے نتائج اخذ

کرنا مسلمہ علمی اصولوں کے خلاف ہے۔

ضروری تنبیہ

قرآن و حدیث پر غور و تدبر کے نتیجے میں جو نتائج مستنبط ہوئے، وہ بیان کیے جا چکے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی ایک اور پہلو کی طرف توجہ کرنا بھی بہرحال ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت شرطِ ایمان ہے۔ چنانچہ اس لیے آپ کی محبت کو بڑھانے والے عوامل بھی اس نسبت سے دین کی نظر میں مستحسن ٹھیریں گے۔ اگر کوئی مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اسبالِ ازار سے بچنے میں اس کی رائے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے یا آپ کی اتباع میں اسے یک سوئی محسوس ہوتی ہے اور اس کی رائے میں یہ بھی اتباع کا تقاضا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات وحالات کی ہو بہو نقل کرنے کی حتی الامکان کوشش کی جائے تو ایسے شخص کے لیے ٹخنوں سے کپڑا اونچے کرنے سے گریز ہی بہتر ہے۔ اور میری رائے میں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے الفاظ اور مقصد پر بیک وقت عمل کرنا ممکن ہو تو دونوں کو اکٹھا کرنا ہی دین کی روح اور مزاج کے زیادہ قریب ہے، بشرطیکہ دین کی کوئی اور شرط یا مزاجی کیفیت مجروح نہ ہوتی ہو۔ ویسے بھی دین اسلام کا مجموعی مزاج ومنشا یہ ہے کہ وہ ایک مسلمان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے زیادہ وابستگی چاہتا ہے اور اس وابستگی کے لیے اگر کسی کو ایسے آداب ورعایات بھی مدد و معاون محسوس ہوں تو اس کے لیے ان کو اختیار کرنا ہی بہتر رویہ ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہ انفرادی مزاج اور کیفیت کی بات ہے، اسے فرد کی سطح تک ہی محدود رہنا چاہیے۔ اس کی ترویج واشاعت سے چونکہ مجموعی دینی مزاج میں بگاڑ پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے اس لیے اس کی اجازت نہ دی جائے گی۔ مزید برآں یہ کہ جن لوگوں (مثلاً علما) کے ایسے آداب پر عمل کرنے سے عوام میں کسی دینی حکم یا دین کے منشا کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خدشہ ہو، ان لوگوں کے لیے ایسے آداب پر عمل نہ کرنا اور عوام پر اصل صورت کا واضح کر دینا ہی بہتر رویہ ہے۔

کسی بھی دینی حکم کے مقاصد اور روح کو متعین کرنے میں انسانی فہم کی حد تک غلطی کا امکان بہرحال موجود رہتا ہے۔ اس لیے اپنے پیش کردہ حل کو حتمی سمجھتے ہوئے ظاہری الفاظ پر عمل کرنے والوں کو استہزا و مذاق کا نشانہ بنانا اور انھیں حقیر جاننا بھی دین کی نظر میں ناپسندیدہ اور ناگوار عمل ہے۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں اصل وزن اخلاص کا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ الفاظ کے ظاہری مفہوم پر خلوص سے عمل کرنے والے کے اعمال کا وزن میزانِ عدل میں اس سے کئی گنا بڑھ جائے جو احکام کے مقاصد وعلل تلاش کر رہا تھا، مگر ساتھ ہی اس کی عقل بہت سے خارجی عوامل سے بھی متاثر تھی۔

فیصلہ تو بہرحال نیتوں پر ہوتا ہے۔ حق کی تلاش اور اس پر عمل کرنے میں کسی کی سعی اور تگ وتاز میں کتنا خلوص تھا، اسے ماپنے کا پیمانہ تو بہرحال الحق اور الخیر کے پاس ہی ہے۔

جاوید احمد غامدی/ منظور الحسن

یہود و نصاریٰ سے دوستی

[مدیر ''اشراق'' کے افادات سے مرتب کیا گیا]

سوال: قرآنِ مجید نے واضح طور پر یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا ہے، کیا یہ حکم ہر زمانے کے یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے؟

جواب: یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت کے حوالے سے قرآنِ مجید کی اس آیت کو بنیاد بنایا جاتا ہے:

''ایمان والو، تم یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو تم میں سے ان کو دوست بنائے گا، وہ انھی میں سے ہے۔ اللہ ظالموں کو راہ یاب نہیں کرتا۔'' (المائدہ ۵: ۵۱)

اس آیت میں بہت وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس حکم کے اطلاق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ اسے ایک عام حکم مانا جائے۔ یعنی اس کا اطلاق ہر زمانے اور ہر علاقے کے مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ پر کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اسے ایک خاص حکم مانا جائے۔ یعنی اس کا اطلاق خاص زمانے اور خاص علاقے کے مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ پر کیا جائے۔

اگر ہم پہلی صورت اختیار کریں تو یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم قرآنِ مجید ہی کے بعض دوسرے مقامات سے متصادم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے چند مقامات یہ ہیں:

۱۔ سورۂ مائدہ ہی میں ارشادِ خداوندی ہے:

''تم ایمان والوں کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور اہلِ ایمان کی دوستی سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان کے اندر عالم اور راہب ہیں اور یہ تکبر نہیں

کرتے۔'' (۸۲:۵)

زیرِ بحث آیت میں نصاریٰ کے ساتھ دوستی سے منع کیا گیا ہے، جبکہ اس آیت میں ان کی تحسین کی گئی ہے اور انھیں دوستی کے لحاظ سے مسلمانوں سے قریب تر قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ ارشاد فرمایا ہے:

''اب تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے'' (المائدہ ۵:۵)

زیرِ بحث آیت میں یہود و نصاریٰ سے دوستی سے روکا گیا ہے، جبکہ اس آیت میں ان کا کھانا کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے اور ہم ان کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ دستر خوان کا تعلق معاشرتی روابط اور دوستانہ مراسم کے علی الرغم تو قائم نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اس آیت کی وضاحت میں لکھا ہے:

''اہلِ کتاب کے کھانے میں ان کا ذبیحہ بھی شامل ہے۔ ہمارے لیے ان کا اور ان کے لیے ہمارا کھانا حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ اور کوئی چھوت چھات نہیں ہے۔ ہم ان کے ساتھ کھا سکتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ۔'' (تفہیم القرآن ۱/ ۴۴۷)

۳۔ اسی طرح ارشاد فرمایا ہے:

''اب تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں ...... اور شریف عورتیں مسلمان عورتوں میں سے اور شریف عورتیں ان اہل کتاب میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی، تمھارے لیے حلال ہیں، بشرطیکہ ان کو قیدِ نکاح میں لا کر ان کے مہر دو، نہ کہ بدکاری کرتے ہوئے اور آشنائی گانٹھتے ہوئے۔'' (المائدہ ۵:۵)

زیرِ بحث آیت میں یہود و نصاریٰ سے دوستانہ مراسم کی اجازت نہیں دی گئی، جبکہ اس آیت میں اس سے کہیں آگے بڑھ کر ان کی خواتین کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی یہودی یا عیسائی خاتون کے کسی مسلمان مرد کی بیوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی رفیقِ حیات، اس کے گھر کی نگران اور اس کے بچوں کی ماں ہو گی۔ خاتون کے یہودی یا عیسائی والدین اس کے ساس سسر قرار پائیں گے اور اس طرح اس کے لیے بمنزلۂ والدین ہوں گے۔ خاتون کے اعزہ اس کے اعزہ تصور کیے جائیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ سارے رشتے کیا انس و محبت اور تعلق و دوستی کے بغیر ہی وجود میں آ جائیں گے؟

۴۔ مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کو دنیا میں عام کریں۔ یہ دعوت شایستگی اور محبت ہی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

''اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دو اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث کرو اس طریقے سے جو پسندیدہ ہو۔'' (النحل ۱۶:۱۲۵)

اہل کتاب کے حوالے سے بھی یہی بات فرمائی ہے:

''اور اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے۔'' (العنکبوت ۲۹:۴۶)

ہمیں اسلام کا پیغام اپنی ذات تک محدود نہیں رکھنا، بلکہ اسے دوسری اقوام تک بھی پہنچانا ہے۔ کسی عیسائی یا یہودی کو ہم یہ دعوت کیسے پہنچا سکیں گے، اگر ہم اسے اپنے ساتھ مانوس نہیں کریں گے؟ ہمیں اس کے ساتھ ربط وضبط پیدا کرنا ہوگا، معاشرتی روابط قائم کرنے ہوں گے، ایثار ومحبت کا اظہار کرنا ہوگا اور خیر خواہی پر مبنی دوستانہ تعلقات استوار کرنے ہوں گے۔ اس کے بعد ہی وہ سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ ہماری بات سننے کے لیے آمادہ ہوگا۔

قرآنِ مجید کے درج بالا مقامات زیرِ بحث آیت کا یہ مفہوم لینے میں مانع ہیں کہ یہ آیت ہر زمانے اور ہر علاقے کے یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے۔ اگر ہم اس مفہوم کو اختیار کرتے ہیں تو یا درج بالا آیات کا انکار لازم آتا ہے یا نعوذ باللہ قرآنِ مجید کو ایک متناقض کلام ماننا پڑتا ہے۔

اس کے برعکس اگر ہم دوسرا مفہوم اختیار کریں تو نہ صرف یہ کہ تناقض کی صورت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ بات پوری طرح سمجھ میں آ جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دوسری تعبیر ہی درست ہے۔ چنانچہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور جزیرہ نماے عرب کے یہود و نصاریٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کے قانونِ رسالت کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ منصبی فریضہ تھا کہ وہ دینِ اسلام کو سرزمینِ عرب کے تمام مذاہب پر غالب کر دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا تھا کہ:

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے وہ (سرزمینِ عرب) کے تمام ادیان پر غالب کر دے، اگرچہ یہ بات عرب کے ان مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔'' (الصّف ۶۱:۹)

اس ذمہ داری کے تحت اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکینِ عرب کے ساتھ ساتھ اہلِ کتاب کو بھی دعوت دینے کی ہدایت فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

''کہہ دو: اے اہلِ کتاب، اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا اپنا پروردگار قرار نہ دے۔'' (آلِ عمران ۳:۶۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد اہل کتاب کو دعوت و انذار کا مخاطب بنائے رکھا۔ ان سے دوستانہ مراسم استوار کیے اور سیاسی معاہدات کیے۔ اس خیر خواہانہ اور دوستانہ طرزِ عمل کا جواب اہلِ کتاب بالخصوص یہود نے نبی

صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی دشمنی کی صورت میں دیا۔ وہ منافقین اور مشرکینِ عرب کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں ملوث ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر رات کو گھر سے نکلتے تو یہودیوں کی طرف سے حملے کا خطرہ رہتا۔ ایک عرصہ تک وہ درپردہ مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے اور پھر معاہدات کو توڑ کر کھلم کھلا آمادۂ جنگ ہو گئے۔

یہ وہ پس منظر ہے جس میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ قرآنِ مجید کے حسبِ ذیل مقامات اس مفہوم کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں:

۱۔ سورۂ آلِ عمران میں ان اہلِ کتاب کو محرمِ راز بنانے سے روکا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ غیر مخلص ہیں اور ان سے قلبی عناد رکھتے ہیں۔ ان کے عناد کے جواب میں مسلمانوں کو صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

''ایمان والو، اپنے سے باہر والوں کو اپنا محرمِ راز نہ بناؤ، یہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ یہ تمھارے لیے زحمتوں کے خواہاں ہیں۔ ان کی عداوت ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں، وہ اس بھی سخت تر ہے۔ ہم نے تمھارے لیے اپنی تنبیہات واضح کر دی ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ یہ تمھی ہو کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو، وہ تو تم سے دوستی نہیں رکھتے، حالانکہ تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو، اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہوئے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو تم پر غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں، کہہ دو تم اپنے غصے میں مر جاؤ۔ اللہ سینوں کے بھید سے خوب واقف ہے۔ اگر تمھیں کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو ان کو اسے تکلیف پہنچتی ہے اور اگر تم کو کوئی گزند پہنچ جاتا ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کی چال تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ اس کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔'' (۳:۱۱۹)

۲۔ سورۂ مائدہ میں مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے ساتھ دوستی سے منع کیا گیا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اسلام کے شعائر اور تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہ بدتمیزی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اذان کی نقل اتارنے لگتے ہیں۔ ارشاد ہے:

''ایمان والو، ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو مذاق اور کھیل بنا لیا ہے، ان لوگوں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور نہ کفار کو۔ اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ اور جب تم نماز کے لیے منادی کرتے ہو تو یہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں، یہ اس وجہ سے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ ان سے کہو کہ اے اہلِ کتاب، تم ہم پر بس اس بات کا غصہ نکال رہے ہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس چیز پر جو ہماری طرف بھیجی گئی، اور اس چیز پر جو پہلے اتاری گئی اور تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔'' (۵:۵۷۔۵۹)

۳۔ اسی طرح مائدہ ہی میں ان کے منافقانہ اور اسلام دشمنی پر مبنی طرزِ عمل کو واضح کیا ہے:

''اور جب یہ (اہلِ کتاب) تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لائے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ کفر کے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ساتھ داخل ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ نکلتے ہیں، اور اللہ خوب واقف ہے اس چیز سے جس کو وہ چھپا رہے ہیں۔ تم ان میں سے اکثر کو دیکھو گے کہ وہ حق تلفی، زیادتی اور حرام خوری کی راہ میں گرم رو ہیں۔ کیا ہی برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ ان کے علما وفقہا ان کو گناہ کی بات کہنے اور ان کو حرام کھانے سے روکتے کیوں نہیں؟ کتنی بری ہے یہ حرکت جو یہ کر رہے رہے ہیں۔''

(۵:۶۱۔۶۳)

۴۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جزیرہ نماے عرب کے ان اہلِ کتاب کے بارے میں یہ حتمی فیصلہ نازل فرمایا:

''ان اہل کتاب سے جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ قیامت کے دن کو مانتے ہیں، نہ اللہ اور اس کے رسول نے جو حرام ٹھیرایا ہے، اسے حرام ٹھیراتے ہیں اور نہ دینِ حق کو اپنا دین بناتے ہیں، (ان سے جنگ کرو)، یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کریں۔'' (۹:۲۹)

عرب کے اہل کتاب نے جان بخشی کی اس رعایت کے باوجود معاندانہ سرگرمیاں جاری رکھیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو نافذ کر دیا:

''(اگر اہل کتاب خلاف اسلام سرگرمیوں میں اسی طرح ملوث رہے تو) میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دوں گا، یہاں تک کہ اس میں مسلمانوں کے سوا کسی کو باقی نہیں رہنے دوں گا۔'' (مشکوٰۃ، رقم ۴۰۷۴)

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خیال وخامہ

(۳)

گزشتہ سے پیوستہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ دور اب ہے اولادِ یافث کا دور　　اِس امّت کی تقویمِ ہستی ہے اور
کہ ہے روح اِس میں بدن سے الگ　　بدن جس طرح پیرہن سے الگ
ابد اِس میں دنیا کی موت و حیات　　خدا خود یہی عالمِ شش جہات
نہیں اس کے اربابِ دانش کو راس　　اگر علم و دانش ہو عقبیٰ شناس
رگ و پے میں اترے ہیں اس کی یہود　　وہ،صدیوں سے جن کی معیشت ہے،سود
بروں جس سے محکم، دروں بے ثبات　　دگرگوں ہے انساں کی ذات وصفات
حیا، جس طرف دیکھیے، سر نگوں　　وفا اِس کے شہروں میں خوار و زبوں

نہ رشتوں کی پروا، نہ جذبوں کا پاس
زمیں بھی اداس، آسماں بھی اداس

اسی شر میں پیدا ہے لیکن وہ خیر　　کہ منکر ہیں جس کے نہ اپنے نہ غیر

یہ انساں کی عزت ، یہ اُس کا شعور   یہ جمہور فرماں روا نزد و دور

یہ اوہام سے علم و فن کا گریز   یہ دنیا میں اِس کا سفر تیز تیز

نئی حیرت افزا مشینوں کے ساتھ   تمدّن کے تازہ قرینوں کے ساتھ

نیا ایک در روز ہوتا ہے باز   عیاں اس کے معمل میں فطرت کے راز

جہاں آفریں ذوق و شوق و خیال   زمیں پر بہشتِ بریں کا جمال

یہ خیر اِس سے لے کر بہ صد احترام

ہمیں اِس کو دینا ہے دیں کا پیام

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

معظم صفدر

اشاریہ ماہنامہ ''اشراق'' ۲۰۰۱ء

قرآنیات

جنوری	البقرہ (۲:۱۳۳۔۱۳۷)	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۷
فروری	〃 (۲:۱۳۸۔۱۴۱)	〃	〃	۱۱
مارچ	〃 (۲:۱۴۲۔۱۴۷)	〃	〃	۱۱
اپریل	〃 (۲:۱۴۸۔۱۵۲)	〃	〃	۹
مئی	〃 (۲:۱۵۳۔۱۵۷)	〃	〃	۱۳
جون	〃 (۲:۱۵۸۔۱۶۲)	〃	〃	۷
جولائی	〃 (۲:۱۶۳۔۱۶۷)	〃	〃	۷
اگست	〃 (۲:۱۶۸۔۱۷۱)	〃	〃	۹
ستمبر	〃 (۲:۱۷۲۔۱۷۶)	〃	〃	۱۳
اکتوبر	〃 (۲:۱۷۷)	〃	〃	۱۵
نومبر	〃 (۲:۱۷۸۔۱۷۹)	〃	〃	۱۳
دسمبر	〃 (۲:۱۸۰۔۱۸۲)	〃	〃	۹

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

معارف نبوی

جنوری	جن اور فرشتہ۔ شیطان اور انسان	طالب محسن	صفحہ	۱۱

فروری	نومولود اور شیطان۔ بچے کا رونا اور شیطان	طالب محسن	صفحہ	۱۵
	شیطان کے کارندے۔ اہل عرب اور شیطان			
مارچ	برے خیالات اور وسوسے۔ شیطان اور فرشتے	〃	〃	۱۹
اپریل	خدا کے بارے میں سوال۔ سوال پر اصرار	〃	〃	۱۵
مئی	نماز کا شیطان۔ نماز میں خیالات	〃	〃	۱۷
جون	تقدیر کا لکھا ہونا۔ تقدیر کا دائرۂ اثر	〃	〃	۱۱
جولائی	آدم و موسیٰ علیہما السلام کا مجادلہ	〃	〃	۱۳
اگست	تقدیر کا اثر	〃	〃	۱۳
ستمبر	آخری نتیجہ	〃	〃	۱۷
اکتوبر	جنت کی چڑیا	〃	〃	۲۱
نومبر	تقدیر اور عمل	〃	〃	۱۷
دسمبر	زنا کی طرف میلان کے مختلف مظاہر	〃	〃	۱۳

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دین و دانش

جنوری	قانونِ جہاد (۳)	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۱۷
	سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور علومِ نبوت (۱)	ابوسلمان سراج الاسلام حنیف	〃	۲۴
فروری	قانونِ جہاد (۴)	جاوید احمد غامدی	〃	۲۵
	سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور علومِ نبوت (۲)	ابوسلمان سراج الاسلام حنیف	〃	۲۹
مارچ	قانونِ جہاد (۵)	جاوید احمد غامدی	〃	۲۵
	سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور علومِ نبوت (۳)	ابوسلمان سراج الاسلام حنیف	〃	۲۹
اپریل	قانونِ جہاد (۶)	جاوید احمد غامدی	〃	۲۱
مئی	قانونِ جہاد (۷)	〃	〃	۲۳
جون	قانونِ جہاد (۸)	〃	〃	۱۹
	اجتہاد	جاوید احمد غامدی / منظور الحسن	〃	۲۵
جولائی	قانونِ جہاد (۹)	جاوید احمد غامدی	〃	۱۹

اگست	قانونِ جہاد (۱۰)	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۱۷
	معرکۂ بدر ـــــ ایک خاص معرکہ	محمد بلال	؍	۲۱
ستمبر	قانونِ جہاد (۱۱)	جاوید احمد غامدی	؍	۲۵
اکتوبر	قانونِ معاشرت (۱)	؍	؍	۲۷
نومبر	قانونِ معاشرت (۲)	؍	؍	۲۳
دسمبر	قانونِ معاشرت (۳)	؍	؍	۱۷

شذرات

جنوری	خودکشیوں کے تجزیے	محمد بلال	صفحہ	۲
	ہدف اور نتیجہ	؍	؍	۴
فروری	بنگلہ دیش کی عدالت کا تاریخی فیصلہ	منظور الحسن	؍	۲
	بم دھماکوں کی ذمہ داری	محمد بلال	؍	۶
مارچ	ڈپریشن اور حقیقی مسلمان	محمد بلال	؍	۲
	علما کا قتل ـــــ ایک نہیں دو حادثے	منظور الحسن	؍	۷
اپریل	فہمِ دین اور مسئلہ جہاد	محمد بلال	؍	۲
مئی	افغانستان میں مجسموں کا انہدام	منظور الحسن	؍	۲
	تحقیقات ہونی چاہییں کہ......	محمد بلال	؍	۸
	پاکستان اور جنگ	؍	؍	۱۰
جون	پہلے مسلمان	؍	؍	۲
جولائی	فرقہ بندی اور تین بڑے حقائق	؍	؍	۲
اگست	فوج کی حکمرانی	منظور الحسن	؍	۲
ستمبر	زکوٰۃ پر تملیک کی شرط	؍	؍	۲
	ضرر رساں ''حب الوطنی''	محمد بلال	؍	۷
اکتوبر	اہل ''محدث'' کے نام	منظور الحسن	؍	۲
نومبر	سانحۂ نیویارک	؍	؍	۲

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دسمبر	روزے کے اثرات	منظور الحسن	صفحہ	۲
	ایک وضاحت	〃	〃	۷

مکاتیب

جنوری	مکتوب۔۱	ملک میاں محمد / جاوید احمد غامدی	صفحہ	۴۵
	مکتوب۔۲	ابوسفیان اصلاحی / جاوید احمد غامدی	〃	۴۶
	مکتوب۔۳	عتیق الرحمان / جاوید احمد غامدی	〃	۴۸
	مکتوب۔۴	رعیت علی / جاوید احمد غامدی	〃	۵۰
اپریل	مکتوب۔۱	محمد مشتاق احمد / محمد بلال	〃	۴۳

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یسئلون

جنوری	متفرق سوالات	طالب محسن	صفحہ	۳۳
فروری	〃	طالب محسن۔محمد رفیع مفتی۔محمد بلال	〃	۳۷
اپریل	〃	جاوید احمد غامدی / محمد راشد	〃	۲۵
	〃	طالب محسن۔محمد رفیع مفتی	〃	۳۰
نومبر	جہاد اور دہشت گردی	جاوید احمد غامدی / افضال ریحان	〃	۵۹
	''ندائے ملت'' کے استفسارات	جاوید احمد غامدی / قربان انجم	〃	۶۶
دسمبر	یہود و نصاریٰ سے دوستی	جاوید احمد غامدی / منظور الحسن	〃	۵۷

نقطۂ نظر

جنوری	حیاتِ طیبہ کا صحیح مفہوم	محمد وسیم اختر مفتی	صفحہ	۵۳
	فوج کے نادان دوست	سلیم صافی	〃	۶۲
فروری	شعائر اللہ اور فطرت اللہ	محمد وسیم اختر مفتی	〃	۵۷
اپریل	غلبۂ دین کی جدوجہد	الطاف احمد اعظمی	〃	۴۹
	شخصیت اور دعوتِ دین	محمد وسیم اختر مفتی	〃	۵۷

اپریل	کرپشن کا خاتمہ: ٹارگٹ نہیں پروسس ہے	سلیم صافی	صفحہ	۶۰
جون	دستاویزاتِ بحیرۂ مردار (۱)	احسان الرحمٰن غوری	〃	۳۵
جولائی	دستاویزاتِ بحیرۂ مردار (۲)	〃	〃	۴۹
اگست	فہم حدیث اور فقہاے امت	محمد عمار خان ناصر	〃	۲۷
	ہیئت نماز کی حفاظت	محمد وسیم اختر مفتی	〃	۴۰
	دستاویزاتِ بحیرہ مردار (۳)	احسان الرحمٰن غوری	〃	۴۴
ستمبر	فہم حدیث اور فقہاے امت (۲)	محمد عمار خان ناصر	〃	۳۷
	دستاویزاتِ بحیرۂ مردار (۴)	احسان الرحمٰن غوری	〃	۵۲
اکتوبر	فقہ اسلامی میں غیر منصوص مسائل کا حل	محمد عمار خان ناصر	〃	۳۱
	ایڈورٹائزمنٹ	محمد وسیم اختر مفتی	〃	۳۶
نومبر	فقہ اسلامی میں غیر منصوص مسائل کا حل (۲)	محمد عمار خان ناصر	〃	۳۱
	اسبال ازار (۱)	محمد صدیق شاہ بخاری	〃	۴۱
دسمبر	اسلام میں عبادت	محمد عمار خان ناصر	〃	۳۳
	اسبال ازار (۲)	محمد صدیق شاہ بخاری	〃	۴۸

نقد و نظر

مارچ	غامدی صاحب کے ارشادات پر ایک نظر	مولانا زاہد الراشدی	صفحہ	۳۷
	مولانا زاہد الراشدی کی خدمت میں	معز امجد	〃	۴۷
مئی	علما کے سیاسی کردار پر جناب غامدی کا موقف	مولانا زاہد الراشدی	〃	۲۷
	مولانا زاہد الراشدی کے فرمودات کا جائزہ	معز امجد	〃	۳۷
	امام ابن تیمیہ، الجزائر کی جنگ آزادی اور جہاد افغانستان	ڈاکٹر محمد فاروق خان	〃	۵۵
جولائی	معز امجد اور ڈاکٹر محمد فاروق خان کے جواب میں	مولانا زاہد الراشدی	〃	۲۳
	مولانا زاہد الراشدی کے فرمودات کا جائزہ	معز امجد	〃	۳۳
	جناب زاہد الراشدی کے جواب میں	ڈاکٹر محمد فاروق خان	〃	۴۲
ستمبر	مولانا وحید الدین خان کا اسلوب تنقید	خورشید احمد ندیم	〃	۲۹

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حالات و وقائع

مئی	آئین ـــــ سلامتی کی واحد ضمانت	خورشید احمد ندیم	صفحہ	۵۹
	قومی سوچ کا فقدان	سلیم صافی	"	۶۵
جون	دیوبند کانفرنس اور مذہبی سیاست	خورشید احمد ندیم	"	۴۷
	طالبان کی بت شکنی	ڈاکٹر محمد فاروق خان	"	۵۱
	مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندوی (۱)	اختر حسین عزمی	"	۵۷
	دانش سرا کا تیسرا سالانہ کنونشن	محمد بلال	"	۶۱
اگست	جناب پرویز مشرف ـــــ حقائق یہ ہیں	محمد اسلم نجمی	"	۵۳
	مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندوی (۲)	اختر حسین عزمی	"	۵۸
اکتوبر	المورد ـــــ معہد العلم الاسلامی	ادارہ	"	۵۵
نومبر	اسلام اور مغرب ـــــ ۱۱ ستمبر کے بعد	خورشید احمد ندیم	"	۴۹
	صلح حدیبیہ اور جہاد و قتال	محمد بلال	"	۵۴

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

تبصرۂ کتب

فروری	"مشاہداتِ حرم"	اختر حسین عزمی	صفحہ	۴۹
	"انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ"	عبدالحئی عابد	"	۵۲
اکتوبر	"مطالعۂ تصوف"	نعیم احمد بلوچ	"	۴۳

وفیات

جولائی	خورشید احمد گیلانی کا سانحۂ ارتحال	منظور الحسن	صفحہ	۶۱
	علامہ ابوالخیر اسدی کی رحلت (۱)	محمد بلال	"	۶۷
اگست	ایک خورشید جو غرب ہوا	خورشید احمد ندیم	"	۶۳
	علامہ ابوالخیر اسدی کی رحلت (۲)	محمد بلال	"	۶۶

ادبیات

جنوری	غزل	جاوید احمد غامدی	صفحہ	۶۵
فروری	ایک کہانی (بچوں کے لیے)	〃	〃	۶۷
مارچ	الٹربلڑ (بچوں کے لیے)	〃	〃	۶۶
اپریل	غزل	〃	〃	۶۳
مئی	غزل	〃	〃	۶۷
جون	مے خانہ	〃	〃	۷۰
جولائی	غزل	〃	〃	۷۲
اگست	غزل	〃	〃	۷۱
ستمبر	غزل	〃	〃	۶۹
اکتوبر	خیال و خامہ	〃	〃	۶۳
نومبر	خیال و خامہ (۲)	〃	〃	۷۰
دسمبر	خیال و خامہ (۳)	〃	〃	۶۲

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org